# تدبر

لاہور

جاری کردہ

## مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر

## خالد مسعود

ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور


## قرآنِ حکیم

ترجمہ : مولانا امین احسن اصلاحیؒ

حواشی : خالد مسعود

نفیس کتابت ★ سفید زمین اور رنگین حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت ★ مضبوط جلد

قیمت : سٹینڈرڈ ایڈیشن -/550 روپے ، حمائل ایڈیشن -/396 روپے

ناشر : فاران فاؤنڈیشن، 122 فیروز پور روڈ، لاہور

## تدبّر حدیث

ترجمہ و توضیح : مولانا امین احسن اصلاحیؒ

ترتیب و تدوین : خالد مسعود، سعید احمد، سید اسحاق علی

★ فہم حدیث کا نیا انداز ★ قرآن مجید کے تقابل میں شرح حدیث ★ فقہی آرا کا محاکمہ

شرح صحیح بخاریؒ (جلد اول) قیمت 360 روپے

شرح موطا امام مالکؒ (جلد اول) قیمت 350 روپے

دار التذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

## حیاتِ رسولِ امّیﷺ

تصنیف : خالد مسعود

★ قرآن مجید میں بیان کردہ فرائض و احوال رسول اللہ ﷺ پر مبنی سیرت کی منفرد کتاب

★ رسول امیؐ کے بارے میں سابقہ کتب کی پیشنگوئیوں پر سیر حاصل تبصرہ

★ کتب سیرت میں پائی جانے والی اختلافی روایات کا محاکمہ

★ حواشی اور ضروری حوالے ★ عام فہم سلیس زبان ★ خوبصورت جلد

★ صفحات 600 ★ قیمت -/375 روپے

ناشر: دار التذکیر، رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

# تدبّر لاہور

جاری کردہ

مولانا امین احسن اصلاحی

مُدیر:

خالد مسعود


شمارہ 81

ستمبر 2003ء

رجب 1424ھ


## فہرست


تذکرہ و تبصرہ

دگرداناۓ راز 3

محبوب سبحانی

تدبر قرآن

تفسیر سورہ بقرہ (۳) 10

حمید الدین فراہیؒ/ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تدبر حدیث

درس صحیح بخاری ............ 21

امین احسن اصلاحی/سید اسحاق علی

درس موطا امام مالک ............ 31

امین احسن اصلاحی/ماجد خاور

مراسلہ و مذاکرہ

مسلمان اقوام میں پستی کیوں؟ 47

امین احسن اصلاحی/سید اسحاق علی

تبصرہ کتب

حیات رسول امی/نعمان علی 54



**مجلس ادارت**

عبداللہ غلام احمد (مدیر مسئول)

محبوب سُبحانی

سعید احمد

سید اسحاق علی



| | |
|---|---|
| قیمت | 12.50 روپے |
| سالانہ | 50.00 روپے |
| بیرون ملک | 250.00 روپے |

(ماسوائے برصغیر)

**ناشر:** ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہو



E.mail: tadabbur@ hotmail.com


## مولانا خالد مسعودؒ نمبر

دسمبر 2003ء

مدیر "تدبر" اور سابق ریسرچ اسکالر قائد اعظم لائبریری مولانا خالد مسعود ایک طویل مدت تک خدمت دین کرتے ہوئے یکم اکتوبر 2003ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحوم کی عظیم دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کی خاطر "تدبر" نے ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نمبر میں مولانا خالد مسعود کی زندگی کے گوشوں اور ان کی دینی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی اور ان کے علمی خطوط شائع کیے جائیں گے۔

جن حضرات کے پاس مرحوم کے خطوط ہوں یا وہ ان پر کوئی مضمون لکھنا چاہتے ہوں وہ اپنے مضامین 15 نومبر 2003 تک بھجوا دیں۔


**ادارہ تدبر قرآن و حدیث**، رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

محجوب سبحانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دگر دانائے راز

صاحب تفسیر تدبر قرآن، عصر حاضر کے جید عالم دین اور نامور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے شاگرد رشید اور ان کی بعض کتابوں کے مرتب مولانا خالد مسعودؒ کے انتقال سے علمی وفکری دنیا میں وسیع خلا پیدا ہوگیا ہے۔ مرحوم نے اپنے استاد کی رہنمائی اور اپنی شبانہ روز کی محنت وکاوش سے علوم قرآن پر دسترس حاصل کرلی تھی۔ انہوں نے مولانا اصلاحیؒ سے قرآن پر غور وفکر کرنے کے اصول اور طریقے سیکھے تھے۔ مولانا نے اپنے ہونہار شاگرد کے ذوق وشوق کو دیکھ کر تدبر قرآن پر غور کرنے کے وہ تمام طریقے سکھائے جو انہوں نے اپنے استاد امام مولانا حمید الدین فراہیؒ سے سیکھے تھے۔ انہوں نے اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تہجد کے وقت فراہیؒ اور اصلاحیؒ کے اصولوں کی روشنی میں قرآن مجید پر غور وفکر کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ان پر اسرار کتاب کھلنے لگے، رموز کتاب سے آشنائی ہونے لگی اور کتاب کے الکتاب ہونے پر یقین بڑھتا گیا۔ اس کی لذت اور حلاوت سے روشناس ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے رگ و پے میں سرایت کرگیا۔ اس لذت سے انہیں ایسا سرور حاصل ہوا کہ پھر کسی چیز میں مزا نہ رہا۔ ایسا نشہ طاری ہوا جس سے وہ عمر بھر سرشار رہے۔ سر میں ایسا سودا سمایا کہ قرآنی علوم کے سوا کسی اور چیز میں دل نہ لگا۔ اس عرصے میں انہوں نے فکر فراہی کے معتبر ترجمان اور شارح کے طور پر خود کو منوایا۔ آپ ایک عالم باعمل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قلب وذہن اور زبان وقلم کی جولازوال صلاحیتیں عطا کی تھیں، وہ قرآن کی خدمت کے لیے وقف کردیں۔ مرحوم کی خدمت دین کا عرصہ 48 سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔

بچپن ہی سے مرحوم کو عربی کا شوق تھا اور دینی گھرانے سے تعلق کی وجہ سے آپ قرآن کو سمجھنے کے لیے کسی صاحب علم کی جستجو میں رہتے تھے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رہنمائی سے 1958ء میں اس دور کے سب سے بڑے عالم اور مفکر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دامن شفقت میں لے گئی۔ مولانا اصلاحیؒ نے مرحوم اور ان کے رفقاء کا شوق دیکھ کر انہیں باقاعدہ پڑھانا شروع کردیا۔ پہلے عربی زبان سکھائی، اس کے اسرار ورموز سکھائے، پھر حدیث کی کتاب مسلم شریف پڑھائی اور قرآن مجید سبقاً سبقاً پڑھایا۔ مولانا خالد مسعودؒ اپنی ذاتی محنت اور کاوش سے چربی گھلا دینے والی عربی زبان کے روشناس بن گئے۔ مولانا اصلاحیؒ نے 1962ء کے اوائل میں نوجوان طلبہ پر مشتمل حلقہ تدبر قرآن تشکیل دیا تو مولانا

خالد مسعودؒ اس کے روح رواں تھے۔ نومبر 1980ء میں یہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث ہو گیا جس کے تحت مولانا اصلاحیؒ کی ادارت میں جولائی 1981ء کو سہ ماہی رسالہ تدبر جاری کیا گیا تو اس کی ترتیب وتدوین میں مولانا کے شریک کار ہو گئے۔ مولانا اصلاحیؒ کو ان کے علم وفکر پر اتنا اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ تفسیر لکھنے کے لیے جن حوالوں اور مواد کی ضرورت ہوتی وہ ان کی فراہمی کے لیے اپنے شاگرد رشید کو کہتے جو بڑی محنت سے یہ تمام مواد فراہم کرتے۔ مولانا اصلاحیؒ کو جو خطوط آتے تو آپ ان کی طرف سے جواب دیتے۔ مولانا اصلاحیؒ کے پاس اپنے استاد امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کے عربی مسودات اور نوٹس کی امانت تھی جن کی ترتیب وتدوین اور ترجمہ کا کام مولانا کے ذمہ تھا، لیکن وہ اپنی ناعافیتی کی وجہ سے اس بار امانت کو اٹھا نہیں سکے تھے اس لیے یہ امانت انہوں نے اپنے شاگرد کے سپرد کر دی جسے انہوں نے بہترین طریقے سے نبھایا۔ فروری 1999ء کے آخر میں مولانا اصلاحی کے مادر علمی مدرسۃ الاصلاح میں مولانا اصلاحیؒ سیمینار ہوا جس میں شرکت کے لیے جب مولانا خالد مسعودؒ مدرسہ میں پہنچے تو اساتذہ اور طلبا نے ان کی زبردست پذیرائی کی۔ مولانا عبدالرحمن ناصر اصلاحی کا کہنا تھا کہ ''حاصل سیمینار آپ ہیں۔ ہم نے آپ کو مولانا اصلاحی کے طور پر دیکھا ہے''۔ 24 فروری کو افتتاحی اجلاس کی آپ نے صدارت کی۔ دوسرے اجلاس میں آپ کا مقالہ ''مولانا اصلاحیؒ کی خدمت حدیث'' پڑھا گیا جسے پسند کیا گیا۔ 26 فروری کے اجلاس میں آپ نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث کا تعارف کرایا۔ سیمینار ختم ہونے کے بعد آپ کو اس آرام دہ کرسی پر بٹھایا گیا جس پر مولانا حمید الدین فراہی بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے بعد ان کے جانشین مولانا امین احسن اصلاحیؒ بیٹھتے تھے۔ یہ کرسی حفاظت سے رکھی ہوئی تھی اور کوئی اس پر نہیں بیٹھتا تھا۔ وہی کرسی مولانا خالد مسعودؒ کو پیش کر کے گویا اعلان کر دیا کہ وہ ان بزرگوں کے صحیح جانشین ہیں۔

مرحوم رسالہ تدبر کے چوتھے شمارے سے باقاعدہ مدیر ہو گئے۔ اب تک اس سہ ماہی رسالہ کے 80 شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ رسالہ تدبر کے ذریعے مولانا فراہی کے افکار کی ترویج کی کوشش کرتے رہے۔ مثلاً قرآن کے اسالیب سے شناسا کرنے کے لیے آپ نے ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جس میں مولانا فراہی کی کتاب اسالیب کی روشنی میں زیادہ تفصیل سے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ علمی حلقوں میں رسالہ کی بڑی وقعت تھی جس کی وجہ اس کے وقیع مضامین تھے۔ بھارت میں اس کی خاص پذیرائی تھی۔ مدرسۃ الاصلاح میں اس کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا تھا۔ اس پرچہ میں مولانا اصلاحیؒ کے مضامین، ادارہ میں دیے گئے لیکچر اور قرآن وحدیث کے دروس شائع ہوتے رہے ہیں جو بعد میں کتابی صورت میں شائع کیے گئے۔ مرحوم کے مقالے بھی اس میں شائع ہوئے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تمام کتابیں اور



مسودات عربی زبان میں ہیں جن میں سے بعض کے تراجم مرحوم نے افادات فراہی، حکمت قرآن، اسالیب قرآن اور دوسرے عنوانات کے تحت شائع کیے۔ ان کی ترتیب وتدوین کر کے کتابی صورت میں شائع کیں جس سے ان کی افادیت بہت بڑھ گئی۔ ان میں حکمت قرآن بھی شامل ہے جو مولانا فراہیؒ کی دو کتابوں حکمۃ القرآن اور النظام فی الدیانۃ الاسلامیۃ کو یکجا کر کے شائع کی گئی ہے۔ آپ نے مولانا فراہیؒ کی کتاب اسالیب قرآن کا ترجمہ بھی تدبر میں شائع کیا۔ عربی زبان سکھانے کے لیے مولانا فراہیؒ نے ایک مختصر کتاب اسباق النحو لکھی تھی۔ مرحوم نے اس میں مناسب اضافہ کر کے اس کو شائع کیا۔ مولانا اصلاحیؒ کے بقول یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ مولانا فراہیؒ نے تفسیر قرآن کے اصول پر کوئی کتاب تحریر نہیں کی تھی، لیکن اس سلسلہ میں ان کے متفرق مضامین اور نوٹس بکھری ہوئی شکل میں ملتے ہیں جن کو مرحوم نے بڑی عرق ریزی سے جمع کیا اور ان کی مناسب تسوید وتدوین کے بعد 'تفسیر قرآن کے اصول' کے نام سے شائع کیا۔ یہ لاجواب کتاب قرآن پر غور وفکر کرنے کے لیے بنیادی رہنمائی مہیا کرتی ہے۔

مولانا اصلاحیؒ کی معرکۃ آلارا تفسیر ''تدبر قرآن'' کے نام سے نو جلدوں میں ہے۔ ان کے لائق شاگرد نے اس کی تلخیص 'قرآن الحکیم' کے نام سے شائع کی۔ مولانا اصلاحیؒ نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام صحیح بخاری اور موطا امام مالک کے منتخب ابواب کے درس دیے جن کو ٹیپ کر لیا گیا۔ مولانا خالد مسعودؒ نے اپنے رفقائے کار سعید احمد اور سید اسحاق علی کی مدد سے ان کو مرتب کر کے ''تدبر حدیث۔ شرح موطا امام مالک (منتخب ابواب)'' اور ''تدبر حدیث۔ شرح صحیح بخاری (منتخب ابواب)'' کے نام سے شائع کیا۔ صحیح بخاری کی دوسری جلد کی ترتیب وتدوین کا کام وفات سے ایک دن قبل مکمل کر لیا تھا۔ اب مولانا فراہیؒ کی کتاب 'اسالیب قرآن' کو مکمل کرنے کا کام کر رہے تھے تاکہ قرآن کے محققین کے لیے رہنمائی کا کام دے سکے۔

مولانا خالد مسعودؒ کی عظیم الشان کتاب ''حیات رسول امیؐ'' ہے۔ یہ ایک منفرد اور محققانہ کتاب ہے۔ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی میں سیرت کی کتاب مکمل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندے کی اس خواہش کو بھی ان کی زندگی میں پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں روایات پر مبنی قدیم کتب سیرت پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس روش سے ہٹ کر قرآن مجید کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قوانین بیان کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے۔ آپ نے حضورؐ کے بارے میں

قدیم صحیفوں میں وارد پیش گوئیوں کا احاطہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان کا اطلاق حضورؐ کے سوا کسی دوسرے رسول پر نہیں ہوتا۔

مولانا خالد مسعودؒ 16 دسمبر 1935ء کو ضلع جہلم کے ایک قصبہ للہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا کا نام حافظ فیض محمد تھا۔ حافظ صاحب اپنے دور کے مشہور حافظ قرآن تھے اور ان کے ہزاروں شاگرد تھے۔ آپ کے والد سیف الرحمن عربی ٹیچر تھے جو اس دور کے مشہور علمی پرچوں میں تحقیقی مضامین لکھا کرتے تھے۔ مولانا خالد مسعودؒ کے ایک بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ آپ کے والد محترم نے ان سب کی اچھی تربیت کی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم للہ میں ہوئی۔ وہیں دینی مکتب میں لکھنا پڑھنا سیکھا۔ 1951ء میں نوشہرہ سے عربی کے اضافی مضمون کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کیا۔ 1955ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی ایس سی کی ڈگری فرسٹ ڈویژن میں حاصل کی۔ آپ کو رول آف آنرز کا حقدار ٹھہرایا گیا۔ 1956ء کو اسلامی جمعیت طلبہ لاہور کے ناظم بنے۔ 1957ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری حاصل کی۔ جنوری 1958ء میں انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹریز سے وابستہ ہو گئے جہاں آپ ریسرچ اور اسٹورز کی انسپکشن کا کام کرتے رہے۔ اس دوران آپ نے ریسرچ کر کے بڑی کارآمد رپورٹیں تیار کیں۔ 1965ء میں کنگز کالج لندن سے کیمیکل انجینئرنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ لندن میں قیام کے دوران آپ نے یوکے اسلامی مشن کی بنیاد رکھی اور اس کے صدر رہے۔ لندن سے واپسی پر 1974ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا۔ ستمبر 1958ء کو مولانا اصلاحیؒ کا تلمذ اختیار کیا۔ 26 دسمبر 1959ء کو آپ کی شادی مولانا افتخار احمد بلخیؒ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔

جب صوبائی حکومت نے انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹریز بند کر دیں تو آپ دسمبر 1985ء میں قائد اعظم لائبریری میں ریسرچ اسکالر تعینات ہو گئے۔ اس دوران قائد اعظم لائبریری کے میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ لائبریری میں آپ نے خاصا تحقیقی کام کیا۔ بچوں کے لیے آسان زبان میں بڑی مفید اور معلوماتی کتابیں تحریر کیں۔ آپ کی یہ کتابیں لائبریری نے ابتدائی فلکیات، کرہ زمین، عالم حیوانات، پودوں کی زندگی، مسلمان اور سائنس کے نام سے شائع کیں۔ اردو سائنس بورڈ نے "ابتدائی بحر پیمائی" کے نام سے کتاب شائع کی۔ آپ کی ان تصانیف نے خوب شہرت حاصل کی۔ "ابتدائی فلکیات" کو نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے ایوارڈ دیا گیا۔ پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے اعتراف کیا کہ اس کتاب میں فلکی طبیعات کی جدید ترین تحقیقات کے نتائج اور کائنات کے بارے میں نئے نظریات کو سمو دینے کے باوجود اسلامی نقطہ نظر سے بھی بچے کو آگاہ کرنے کے معاملے میں غفلت نہیں کی گئی۔ "کرہ زمین" کو مقتدرہ قومی زبان نے اردو



ادب پر ایک احسان قرار دیا۔ ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے معاشی مجبوریوں کی وجہ سے تراجم کا کام شروع کر دیا۔ آپ نے ادارہ تحقیقات اسلامی، مقتدرہ قومی زبان اور اردو سائنس بورڈ کی کتابوں کے تراجم کیے۔ عظیم مفکر فرانسس بیکن کی مشہور کتاب NOVUMORGANUM WITH NEOATLANTAS کا اردو زبان میں ترجمہ "منہاج جدید مع نو اطلانتہ" کے نام سے کیا۔ عظیم فلسفی برٹرینڈ رسل کی کتاب OUR KNOWLEDGE OF ENERNAL WORLD کا "خارجی دنیا کا علم" کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ عظیم سائنس دان آئزک نیوٹن کی کتابیں OPTICS کا "بصریات" اور THE MATHEMATICAL PRINCIPLES OF NATURAL PHILOSOPHY کا "ریاضیات فطری فلسفہ" کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ چاروں کتابیں مقتدرہ قومی زبان نے شائع کیں۔ معروف مسلم سائنس دان کا اردو ترجمہ کیا جسے اردو سائنس بورڈ نے شائع کیا۔

مولانا اصلاحیؒ کے جب قویٰ مضمحل ہو گئے تو انہوں نے درس دینا موقوف کر دیا تھا جس کے بعد ادارہ کے ارکان نے آپ کو درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے منتخب کیا، جس میں مولانا اصلاحیؒ کی مرضی بھی شامل تھی۔ اگرچہ اس سے قبل بھی مولانا خالد مسعودؒ درس قرآن مختلف مساجد اور اپنے گھر دیتے رہے تھے مگر یہ سلسلہ بار بار منقطع ہوتا رہتا تھا۔ اب ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے زیر اہتمام انہوں نے باقاعدگی سے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ قرآن کے طالب علموں کے لیے یہ سلسلہ بڑا مفید تھا جس میں وہ عربی زبان کے نکات بھی سمجھاتے تھے اور سوالات کے شافی جوابات دیتے تھے۔ مولانا اصلاحیؒ نے سورہ قصص سے درس کا سلسلہ چھوڑا تھا مرحوم نے وہیں سے یہ سلسلہ جوڑا۔ جب آپ سورہ قصص پر پہنچے تو بیماری حملہ آور ہو گئی۔ نقاہت کی وجہ سے انہیں بھی درس کا سلسلہ معطل کرنا پڑا۔ جگر کی بیماری (ہیپاٹائٹس سی) کی وجہ سے ان کی خون کی رگ بار بار پھٹ جاتی تھی جس کی وجہ سے انہیں خون کی قے شروع ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر اس رگ کی مرمت کر دیتے تو انہیں افاقہ ہو جاتا اور ہسپتال سے گھر آ کر تھوڑا بہت کام کرنے لگتے۔ 22 جولائی کو بیماری نے شدید حملہ کیا نبضیں تک ڈوبنے لگیں۔ ان کو لائف سیف انجکشن لگایا گیا۔ زندگی کے کچھ دن ابھی باقی تھے کہ ٹھیک ہو کر گھر آ گئے۔ صحت بہتر ہو گئی۔ بخاری اور رسالہ تدبر کا کام شروع کر دیا۔ پچھلے ماہ ان کی اہلیہ بھی کمر کی شدید تکلیف کے باعث جناح ہسپتال میں داخل ہوئیں۔ اس کے تقریباً تین ہفتہ بعد 30 ستمبر کی رات کو بارہ بجے ان پر بیماری کا پھر حملہ ہوا۔ خون کی الٹیاں آنے لگیں۔ فوراً جناح ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ اس بار معدے میں جانے والی بڑی آنت پھٹ گئی ہے۔ آپ نے عالم پیری میں بھی مردانہ وار اس بیماری کا مقابلہ کیا۔ آپ کی قوت برداشت اور خودداری کی وجہ سے

ان کی زبان پر کوئی ایسا کلمہ نہ آیا جس سے وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر رہے ہوں۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود حالت سنبھل نہیں سکی۔ آپ یکم اکتوبر کو دو بجے اپنے رب سے جا ملے۔

دیکھ فانیؔ یہ تری تدبیر کی میت نہ ہو

اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

اب مدرسۃ الاصلاح کی وہ کرسی پھر خالی ہو گئی جس پر مولانا حمید الدین فراہیؒ اور ان کے بعد مولانا امین احسن اصلاحیؒ بیٹھا کرتے تھے، پھر اس کرسی پر مولانا خالد مسعودؒ کو بیٹھنے کا اہل سمجھا گیا۔

ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

مولانا خالد مسعودؒ کو انگریزی، اردو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انگریزی میں بھی ان کے بعض مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ مرحوم شب زندہ دار عابد و زاہد تھے۔ بڑے صابر اور شاکر انسان تھے۔ انہیں روپے پیسے سے کبھی محبت نہ رہی، آپ ہر حال میں قانع تھے۔ مرحوم شفیق باپ اور محبت کرنے والے شوہر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کے حصول میں انہیں در بدر کی ٹھوکریں کھانا پڑیں لیکن انہوں نے رشوت دینا قبول نہیں کیا۔ ان کی زندگی نہایت سادہ اور موجودہ دور کے تکلفات سے مبرا رہی، نمود و نمائش سے دور۔ راسخون فی العلم ہونے کے باوجود اکڑ و غرور نام کو نہیں تھا بلکہ عباد الرحمان کی طرح عاجزی اور فروتنی تھی، شجر ثمر بار کی طرح انکسار تھا۔ ملنساری اور خوش اخلاقی ان کی ادا تھی۔ مہمان نوازی شیوہ، حسن سلوک خوبی اور معاملہ فہمی وصف تھا۔ پریشان حالی اور درماندگی میں دوستوں کی دستگیری کرنا آپ کا طریقہ تھا۔

مرحوم کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کا دل کی گہرائیوں سے مطالعہ کیا۔ دیگر مشاہیر اسلام کی کتب سے بھی استفادہ کرتے۔ آپ حق کے متلاشی رہے۔ اس کی مثال آپ کے ایک خط کے اقتباس سے ملتی ہے، لکھتے ہیں:

''ہم طالب علم لوگ ہیں اور کسی مدرسہ میں نہ پڑھنے کے باعث ہماری وابستگی کسی کے ساتھ جذباتی طور پر نہیں ہے۔ اپنے علم کی حد تک غور کرتے ہیں اور اپنی رائے قائم کرتے ہیں کہ علماء کے باہمی مباحث میں دلیل کس کے ساتھ ہے۔ مولانا سے ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے اور ہماری تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ مولانا اپنے استادوں سے بعض امور میں مختلف رائے رکھتے ہیں اور اسکے ان کے پاس دلائل ہیں۔ ہم بھی مولانا سے سنتے ہیں تو ان کی بات کو پیر جی کی بات نہیں



سمجھتے بلکہ ان کی دلیل سنتے ہیں۔ میں اپنی حد تک تو سمجھتا ہوں کہ جہاں مولانا کی کسی دلیل کا وزن سمجھ میں نہیں آتا تو میں اس رائے کو اختیار کرنے میں توقف کرتا ہوں اور کہیں الگ رائے بھی قائم کرتا ہوں، ہاں میں ہاں ملانا جائز نہیں سمجھتا''۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہیں غیب سے کوئی اشارہ مل گیا تھا کہ جس رب کے دین کی وہ نصف صدی سے خدمت کر رہے ہیں اس سے اب ملاقات ہونے والی ہے۔ "تدبر" کے لیے نعمان علی صاحب "حیات رسول امی" پر تبصرہ لکھ رہے تھے۔ رسالہ تدبر اشاعت کے لیے تیار تھا صرف اس تبصرے ہی کا انتظار تھا۔ وفات سے ایک روز قبل جیسے ہی ڈاک سے تبصرہ ملا۔ آپ ناتوانی کے باوجود قائد اعظم لائبریری گئے تاکہ رسالہ تدبر کی ترتیب و تدوین پر آخری نظر ڈال سکیں۔ اپنی پنشن کے کاغذات نکلوا کر اپنی اہلیہ کے نام کر دی۔ اس سے کچھ دن قبل انہوں نے ادارہ کے حساب کتاب کے لیے ایسا انتظام کر دیا کہ بعد میں اس کو چلانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ وفات سے ایک دن قبل آپ اپنے عزیزوں اور بیٹیوں سے فون پر تفصیلی گفتگو کرتے رہے۔ ہسپتال میں جب ڈاکٹر آپ کی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہے تھے اور آپ کا بلڈ پریشر بہت کم ہو گیا تھا۔ تو انہوں نے آکسیجن ماسک سے اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر انوار احمد بگوی سے کہا:

''اب کیوں کوشش کر رہے ہیں کیا اب کوئی گنجائش رہ گئی ہے''۔

آخری وقت تک آپ ذہنی، شعوری اور قلبی طور پر مکمل بیدار رہے۔

ضلع جہلم کے گاؤں **للہ** میں علم و عرفان کا یہ سورج 15 دسمبر 1935ء کو طلوع ہوا تھا اور 68 سال بعد اسی گاؤں میں غروب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے درجات بلند کرے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا کرے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

❀❀❀❀❀

حمید الدین فراہی / ترجمہ ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

# تفسیر سورہ بقرہ

## ـ ۵ ـ

**لــلـمتقين**: متقین پر جو لام ہے وہ کتاب الٰہی کے نام "ہدیٰ" کے محل ظہور کو بتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا وصف کئی ناموں سے بیان کیا ہے۔ کہیں تو مطلق ان کا ذکر کر دیا ہے اور کہیں ان کے مواقع ظہور کو بتایا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ ان ناموں کا حق دار ہے لیکن جب کسی شئی کا کوئی نام رکھا جاتا ہے تو اس میں کثرت اور حالات کی سازگاری پیش نظر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سورج کو روشنی کہا گیا ہے لیکن وہ ان ہی کے لیے روشنی ہے جو آنکھیں رکھتے ہیں یا جیسے بارش کو برکت کا نام دیا گیا ہے مگر وہ صرف زرخیز زمین کے لیے بابرکت ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سورہ اپنے آپ میں بے شک ھدی ہے لیکن اس سے صرف متقین ہی ہدایت یاب ہوں گے۔ قرآن مجید میں اس کے نظائر بہت ہیں مثلاً فرمایا ہے:

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ. (آل عمران:۱۳، نور:۴۴)

﴿بے شک اس میں اہل بصیرت کے لیے بڑی عبرت ہے﴾

بلاغت کے باب میں ہم نے اس وضاحت کے فائدہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آگے تدبر کی فصل میں اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

"ھدی للمتقین" کی تاویل کے سلسلہ میں کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر قرآن صرف ان ہی لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو پہلے سے تقویٰ کے مقام پر فائز ہیں تو یہ تحصیل حاصل ہوا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اولاً تو متقین کے لفظ میں یہ مفہوم شامل نہیں ہے کہ وہ پہلے ہی سے متقی ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اتقاء یا خوف اللہ کی یاد دہانی اور اس کی کتاب کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ. (انعام:۶۹)

﴿بلکہ یاد دہانی کرا دینا ہے تاکہ وہ خوف کھائیں﴾

نیز فرمایا ہے:

وَهٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا. (انعام:۱۵۵)

﴿اور یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے سراپا خیر و برکت تو اس کی پیروی کرو اور ڈرو۔﴾



ایک اور جگہ آیا ہے:

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا. (اعراف:۶۳)

﴿کیا تم اس بات پر متعجب ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک یاد دہانی تمہیں میں سے ایک شخص کے ذریعے سے آئی تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے اور تاکہ تم ڈرو۔﴾

فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا. (طٰہٰ:۱۱۳)

﴿اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی قرآن کی صورت میں اتارا اور اس میں ہم نے طرح طرح سے تنبیہات کیں تاکہ وہ خوف کھائیں یا یہ ان کو ہوش دلائے۔﴾

چنانچہ آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو اس کو سنتے ہیں پھر خوف کھاتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ. (اعراف:۱۸۸)

﴿میں تو بس ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لائیں۔﴾

دوسرے، اتقاء کے مقدم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کمال اتقاء مراد ہے۔ چنانچہ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن سے وہی لوگ ہدایت یاب ہوں گے جن کو تقویٰ میں سے کچھ حصہ ملا ہوگا۔ قرآن مجید نے بہت سی جگہوں پر واضح کر دیا ہے کہ غافلوں اور گھمنڈیوں کو انذار سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔

تیسرے، یہ کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ابتدا میں نازل ہونے والی وحی سے برابر بیدار کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کے اندر تقویٰ کی کیفیت بیدار ہوگئی اور وہ اس میں مزید اضافہ کے لیے تیار ہو گئے تو ان کی طرف یہ سورہ نازل کی گئی۔ چنانچہ وہ ان کے لیے ھدی بنی، لیکن جن لوگوں نے پہلی یاد دہانی سے فائدہ نہیں اٹھایا ان کا ذکر اس مجموعہ آیات کے بعد لایا گیا۔ یہ اشارات مذکورہ بالا شبہ کے ازالہ کے لیے کافی ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ھدی اور تقویٰ کی اصل، فطرت کے اندر ودیعت ہے اور یہ ایک دوسرے کی نشو و نما کا باعث ہوتے ہیں۔ دونوں کا عمل برابر جاری رہتا ہے اور آپس کے تعامل سے ترقی کرتے ہیں۔ فطری تقویٰ فطری ہدیٰ کے تابع ہوتا ہے۔ پھر فکر و نظر کو کام میں لانے اور

پیغمبر کی یاددہانیوں کو سننے کے بعد ہدایت میں فطری تقویٰ کی مدد سے افزونی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جو شخص فطرت کی سلامتی پر برابر قائم رہتا ہے اور برائیوں سے اس کو بگاڑ نہیں دیتا وہ جب آیاتِ الٰہی میں غور کرتا ہے یا پیغمبر کی دعوت پر کان دھرتا ہے تو اس کے اندر چھپا ہوا تقویٰ ابھر آتا ہے جس طرح تمام پوشیدہ قویٰ تحریک پا کر ابھر آتے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر یہ بات بیان ہوئی ہے کہ اس سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار اس پر ہے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح آمادہ ہو، جیسا کہ فرمایا ہے:

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ". (ق:۳۷)

﴿بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یاددہانی ہے جن کے پاس قلب ہو۔﴾

چنانچہ وہ آیاتِ فطرت میں غور و فکر کرتے ہیں اور یاددہانی حاصل کرتے ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے جن میں انبیاء کرام آتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا طبقہ ہے جو انبیاء کی دعوت کی طرف سبقت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کے بعد ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ. (ق:۳۷)

﴿یا جو سننے کے لیے کان لگائیں شہید بن کر﴾

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (زمر:۱۸)

﴿جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور یہی ہیں جو عقل والے ہیں﴾

خلاصہ یہ کہ تقویٰ کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سے بعض قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے شرط کے درجہ میں ہیں اور بعض نتیجہ کے طور پر آتے ہیں۔ پھر یہ مزید ہدایت کا سبب بنتے ہیں، جیسا کہ فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ. (محمد:۱۷)

﴿اور جن لوگوں نے ہدایت کی راہ اختیار کی اللہ نے ان کی ہدایت میں افزونی بخشی اور ان کے حصہ کا تقویٰ انہیں عطا فرمایا۔﴾

یعنی ان کو مزید تقویٰ عطا کیا کیوں کہ تقویٰ اپنی اصل کے اعتبار سے اهتداء پر بہرحال مقدم ہے۔ چنانچہ ھدیٰ اور تقویٰ ایک دوسرے کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں اور جب جب تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے ہدایت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اوروں کے مقابلہ میں تقویٰ پر زیادہ سختی کے ساتھ کاربند رہتے ہیں وہ



ذکر اور یاددہانی سے ہدایت حاصل کرنے میں سب سے آگے اور سب سے پختہ ہوتے ہیں۔ تقویٰ کے محل و مقام کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تدبر اور نظم کے باب میں آئے گی۔

جہاں تک لفظ متقین کا معاملہ ہے تو اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان لا چکے ہیں اور جو آئندہ ایمان لانے والے ہیں۔ چنانچہ اس لفظ کو حق پر ایمان لانے والوں کے لیے بطور علم کے استعمال کیا ہے اور اس سے ان لوگوں کے جامع وصف کو بیان کیا ہے جو اس کتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ اس کی تفصیل سولہویں فصل میں آرہی ہے۔ یہاں اس کے عموم میں جو جامعیت ہے اس کو بیان کریں گے۔

پیش نظر رہے کہ یہاں پر ان باتوں کا ذکر نہیں ہے جن سے اتقاء کا تعلق ہے تا کہ اس کی دلالت ان تمام چیزوں پر ہو جن سے خوف کھانا چاہیے۔ اگرچہ یہ ایک جامع لفظ ہے لیکن موقع کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں غالب پہلو اس تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرنے والی آیتوں میں غور و فکر سے غور کرنے والے کے دل میں اس کے مرتبہ کے لحاظ سے ابھرتی ہے۔ غور و فکر کے جو درجات ہیں ان میں سب سے جامع اور اکثر کو شامل درجہ یہ ہے کہ اعمال کے نتائج و عواقب کے لازمی طور پر پیش آنے کا خوف دامن گیر ہو۔ یعنی دل میں آخرت کے دن کا ڈر بیٹھ جائے۔ قرآن مجید نے اس بات کو پوری صراحت کے ساتھ متعدد جگہوں پر بیان کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:

وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا. سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (آل عمران:۱۹۱)

﴿اور غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت پر، ان کی دعا ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب تو نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، تو پاک اور باعظمت ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔﴾

دیکھئے کہ فکر نے پہلے خدا کی ربوبیت کی طرف رہنمائی کی، پھر اس کی حکمت کی طرف لے گئی، بعد ازاں اس کی تقدیس و کبریائی کی طرف اور اس کے بعد خوفِ عذاب تک اس نے پہنچایا، اس بنیاد پر کہ وہ پہلے سے پیش نظر تھا۔ پھر آخر میں اللہ کی طرف بھاگنے اور اس کی پناہ حاصل کرنے کی منزل تک لے گئی۔ اسی کے مثل دوسری جگہ فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ. اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ. (یونس:۵-۶)

﴿وہی ہے جس نے سورج کو تاباں اور چاند کو درخشاں بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم سالوں کے اعداد و شمار معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ بے شک شب و روز کی آمد و شد اور آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈر رکھتے ہیں۔﴾

اوپر یہ جو ہم نے کہا کہ یہ مفہوم موقع کلام سے نکلتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد متقین کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اگلی فصلوں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات پوری طرح ثابت ہو جائے گی۔

**يُؤمِنُونَ بِالغَيب**: اس کی بظاہر دو تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ "یومنون" کو مطلق رکھا جائے اور اسے ان تمام چیزوں کا جامع قرار دیا جائے جن سے ایمان کا تعلق ہے۔ ایسی صورت میں بالغیب ظرف ہوگا اور معنی ہوں گے کہ وہ غیب میں رہتے یا بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، جیسا کہ آیت ذیل میں ہے:

وَذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ. (انبیاء: ۴۸:۴۹)

﴿اور یاد دہانی عطا کی ان متقین کے لیے جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت سے لرزاں و ترساں رہنے والے ہیں۔﴾

یعنی اس جزا کے مشاہدہ سے پہلے جس کے واقع ہونے پر تو کافر بھی خوف کھائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت کے خوف اور ڈر کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ایک اور جگہ آیا ہے:

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ. (فاطر: ۱۸)

﴿تم تو بس ان ہی کو ڈرا سکتے ہو جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور جو پاکی حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔﴾

دوسری جگہ ہے:

لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ. (یوسف: ۵۲)

﴿تا کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے بے وفائی نہیں کی﴾

حضرت ربیع بن انس نے بھی یہی تاویل اختیار کی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ "یومنون" بمعنی "یخشون" ہے۔ (تفسیر طبری ۱:۲۳۵) چنانچہ انہوں نے اس کو اس سے مستغنی رکھا ہے کہ "بالغیب" کی



"ب" اس کا صلہ ہو۔ اور اسی وجہ سے "یومنون بالغیب" کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے "آمنوا باللہ وملائکتہ و رسلہ والیوم الآخر، و جنتہ و نارہ ولقائہ، و آمنو بالحیاۃ بعد الموت" کے الفاظ کہے۔ (تفسیر طبری ۱:۲۳۷) اس طرح انہوں نے "یومنون" کا جامع مفہوم مراد لیا۔

ابن جریر کا یہ کہنا کہ یہ ساری باتیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ پیغمبر امور غیب میں شامل نہیں ہے۔ میرے خیال میں حضرت ربیع نے "یومنون" کی تفسیر "یخشون" سے اس لیے کی کہ وہ ایمان کی اصل حقیقت کو بتانا چاہتے تھے اور ان کے پیش نظر اس کی نظیر میں یہ آیت رہی ہوگی:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (انفال ۲۔۴)

﴿مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ کریں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھنے والے ہیں، جو کہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو بخشا ہے خرچ کرتے ہیں۔﴾

یہ اس آیت کی بہترین تاویل ہے اور تقویٰ کے ساتھ ایمان کا ذکر ہونا اس پر دلیل ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے ان لوگوں کی مدح میں یہ بات کہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو دیکھے بغیر ایمان لائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ان لوگوں کے لیے واضح تھا جنہوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس ایمان سے افضل کسی ایمان لانے والے کا ایمان نہیں ہو سکتا جو بن دیکھے ایمان لایا ہو۔" (تفسیر ابن کثیر ۱:۴۰)

اس کے بعد انہوں نے "الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ...... الْمُفْلِحُوْنَ" تک پڑھا۔

"يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" کی ایک تاویل تو یہ ہوئی۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ "ب" کو فعل کا صلہ قرار دیں جیسے "آمنت باللہ" کہتے ہیں۔ اس تاویل کے لیے کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں تاویلیں برابر کی ہیں اور دونوں ہی سلف سے منقول ہیں۔ کیوں کہ ابن جریر نے زیادہ تر روایات کو اسی مفہوم پر محمول کیا ہے۔ لیکن پہلی تاویل حسب ذیل وجوہ سے زیادہ قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پہلی تاویل کی رو سے "یومنون" کے ذیل میں وہ تمام باتیں آ جاتی ہیں

جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور جن کی قرآن مجید نے دوسری جگہوں پر تفصیل بیان کر دی ہے لیکن اگر آپ "ب" کو اس کا صلہ قرار دیں گے تو ایمان غیب ہی میں محدود ہو کر رہ جائے گا جبکہ یہاں پر حصر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ غیب کا اطلاق کتاب الٰہی اور پیغمبر پر نہیں ہو سکتا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بعد جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم ہے ان میں سب سے زیادہ اہمیت ان ہی دونوں کی ہے۔ پھر ان کو اس دائرہ سے خارج کیسے کر دیا جائے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ غیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں استعمال نہیں ہوا ہے اور یہ اس کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی نہیں ہے۔ اس لیے اسے بھی ایمان بالغیب کے دائرہ سے خارج کرنا پڑے گا۔ اب صرف ملائکہ، آخرت کے امور اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات و حوادث ہی بچتے ہیں جو اس دائرہ میں آ سکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ایمان کو ان ہی تین چیزوں کے لیے خاص کر دیا جائے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے دوسری تاویل اختیار کی ہے انہوں نے غیب سے وہ امور مراد لیے ہیں جن کا آخرت میں مشاہدہ ہوگا۔ حالانکہ آخرت کا ذکر مستقل طور پر آگے "وبالآخرة هم يوقنون" میں آ رہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ محض تکرار والی بات ہوگی لیکن اس کے بجائے اگر پہلی تاویل کو لیا جائے تو اس کے لحاظ سے پہلے اس ایمان کی حقیقت بتائی گئی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے، پھر اس کی نمایاں علامات یعنی اقامت صلاۃ اور انفاق کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد ان امور کو بیان کیا گیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دہرائی گئی ہو۔

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ پہلی تاویل کی روشنی میں ایک عظیم حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خشیت کی طرح ایمان بھی وہی معتبر ہے جو بصیرت اور تقویٰ سے پیدا ہوا اور جو لوگ خدا کا عذاب دیکھ کر ایمان لائے ان کے متعلق فرمایا ہے:

أَثُمَّ إِذَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ الآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ۔ (یونس:۵۱)

﴿تو کیا پھر جب عذاب نازل ہو جائے گا تب ہی اس کو مانو گے۔ اس وقت ہم کہیں گے اب! حالانکہ اس کے لیے تم جلدی مچائے ہوئے تھے۔﴾

یعنی عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد تمہارے ایمان لانے کا کوئی اعتبار نہیں۔

اوپر جن باتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے واضح ہو گیا ہوگا کہ دوسری تاویل کے ساتھ حسب ذیل چیزیں لازم آتی ہیں جن کے لیے کتاب و سنت سے کوئی تائید نہیں مل سکتی۔



۱۔ ایک تو یہ کہ خدائے تعالیٰ کو غیب کے نام سے یاد کرنا پڑے گا۔

۲۔ دوسرے ایمان سے متعلق جن باتوں کو قرآن مجید نے پوری صراحت کے ساتھ متعدد جگہوں پر بیان کیا ہے ان سے الگ کر کے اس کا تعلق ایک نئے مفہوم سے جوڑنا ہوگا اور اس میں سب سے اہم چیزیں جن پر ایمان لانا ہے شامل نہ ہو پائیں گی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ایمان کے بعد "ب" آئی ہے اس کے صلہ کے طور پر آئی ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بالغیب جہاں جہاں آیا ہے ظرف ہی کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس لیے لفظی نظائر کے لحاظ سے استدلال کا پلڑا دونوں طرف برابر کا ہے۔ بلکہ خشیت الٰہی کے ظرف کے طور پر اس کا کثرت سے آنا اس بات کا مؤید ہے کہ وہ یؤمنون کا ظرف ہے کیوں کہ ایمان کا تعلق خشیت الٰہی سے ہے جیسا کہ حضرت ربیع بن انس نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

چنانچہ صحیح تاویل کے مطابق "یؤمنون" کا لفظ مطلق اور عام ہونے کی وجہ سے ان تمام چیزوں کا جامع بن گیا ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جو الفاظ جامع مفہوم کے حامل ہوتے ہیں بعض وقت ان کا کوئی ایک معنوی پہلو اول درجہ میں مراد ہوتا ہے اور باقی پہلو حسب موقع ثانوی حیثیت سے آتے ہیں۔ یہی صورت یہاں بھی ہے۔ چنانچہ یؤمنون کا مطلب ہوگا کہ وہ حق پر مکمل اور جامع ایمان رکھتے ہیں جس میں بڑا اور بنیادی حصہ ایمان باللہ اور توحید، ملائکہ اور معاد پر دلالت کرنے والی آیات نیز اس کی نازل کردہ ہدایت پر ایمان کا ہے کیوں کہ یہاں پر وہ امور بیان ہوئے ہیں جن کو تقویٰ کی تفصیل کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مددگار اور مالک نہیں اور ہر جگہ اسی کا حکم چلتا ہے نیز ایک دن اسے اللہ مالک کے پاس جانا ہے اس پر ہمیشہ خدا کا خوف طاری رہتا ہے، اس کا تقرب حاصل کرنے کے طریقے ڈھونڈتا ہے اور اس کی ہدایت کا جسے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے طلب گار اور پیاسا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ربیع بن انس نے جیسا کہ پہلے گزرا "یؤمنون" کے معنی "یخشون" بتائے ہیں۔

اس بحث کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں کثرت سے جگہوں پر صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ توحید، رسالت اور معاد ایمانیات کی اصل اور ایمان لانے کے بنیادی ارکان ہیں۔ چنانچہ کبھی تو وہ اللہ اور اس کی آیات کا ذکر کرتا ہے اور کبھی اللہ اور یوم آخرت کا جس کا یقین تمام ایمانیات کو اپنے اندر لیتا ہے، اور بعض وقت اللہ اور اس کے رسولوں کا ذکر کرتا ہے جو ایمان کے تمام پہلوؤں کو اپنے احاطہ میں لے لیتے ہیں۔ لفظ کو جب مطلق لایا جاتا ہے تو ہم قرینہ سے اس کا مفہوم سمجھ لیتے ہیں۔ جہاں تک اس کے شواہد کا تعلق ہے ہم یہاں ان میں سے صرف چند کے ذکر پر اکتفا کریں

گے۔ فرمایا ہے:

الَّذِی یُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَ کَلِمَاتِهٖ (اعراف:۱۵۸)

﴿جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلمات پر۔﴾

ایک اور جگہ ہے:

وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ (تحریم:۱۲)

﴿اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔﴾

دوسری جگہ ہے:

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَ آیَاتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ. (جاثیہ:٦)

﴿تو وہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد آخر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔﴾

نیز فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِآیَاتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ. (مومنون:۵۸۔۵۹)

﴿اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔﴾

یہ آیات بھی اسی سلسلہ کی ہیں:۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ. (بروج:۸۔۹)

﴿اور انہوں نے ان پر محض اس وجہ سے غصہ نکالا کہ وہ ایمان لائے اس خدائے عزیز وحمید پر جس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔﴾

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا. قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ آیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی. وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِآیَاتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰی. اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ. یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی. (طٰہٰ:۱۲۵۔۱۲۸)

﴿وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو بینا تھا۔



ارشاد ہوگا اسی طرح دنیا میں تیرے پاس ہماری آیات آئیں اور تو نے ان کو نظر انداز کر دیا تو اسی طرح آج تم کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا۔ اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہوتا ہے۔ کیا یہ چیز ان کے لیے ہدایت دینے والی نہیں بنی کہ کتنی ہی قوموں کو ان سے پہلے ہم نے ہلاک کر دیا جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس کے اندر اہل عقل کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔﴾

اسی طرح لقاء آخرت کے متعلق فرمایا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ ......... (عنکبوت:۲۳)

﴿اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کی ملاقات کا انکار کیا .........﴾

ایک اور جگہ آیا ہے:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ. (بقرہ:۲۳۲)

﴿جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔﴾

دوسری جگہ ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ. (بقرہ:۸)

﴿اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔﴾

اس کی مثالیں بہت ہیں۔

ایسے ہی اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کے سلسلے میں وارد ہوا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ. (فتح:۱۳)

نیز فرمایا ہے:

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ. (مائدہ:۱۱۱)

﴿اور یاد کرو جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔﴾

ذیل کی آیت میں ایمان کے تینوں بنیادی ارکان جمع ہو گئے ہیں:۔

يا أيها الذين آمنوا آمنوا بالله ورسوله والكتاب الذي نزل على رسوله والكتاب الذي أنزل من قبل ومن يكفر بالله وملئكته وكتبه ورسله واليوم الآخر فقد ضل ضلالا بعيدا. (نساء ۴: ۱۳۶)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی اور جو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کا انکار کرے، وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

معلوم ہوا کہ اس ایمان کی کل حقیقت خدائے واحد پر ایمان ہے جو نورِ فطرت اور آیاتِ الٰہی پر غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے اور یہی ایمان آگے دوسرے تمام ارکان کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو بھی پوری صراحت کے ساتھ متعدد جگہوں پر بیان کر دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

ومن يؤمن بالله يهد قلبه. (تغابن ۱۱)

نیز فرمایا:

فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها والله سميع عليم. الله ولي الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النور. (بقرہ ۲: ۲۵۶-۲۵۷)

تو جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے ہیں وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

اس کی مثالیں بہت ہیں۔

خلاصہ یہ ہے۔ یہاں "یومنون" کو عام رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ایک جامع وجیز حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے جس کی اصل ایمان باللہ ہے اور یہ فطرت کے اندر پیوست ہے۔ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر سے پوری طرح واضح ہے اور توحید، رسالت اور معاد سب کو شامل ہے جیسا کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ اگلی فصلوں میں بھی اس سے متعلق کچھ باتیں آئیں گی۔

(جاری ہے)





مولانا امین احسن اصلاحی

# درس صحیح بخاری

## (کتاب فی الاستقراض کی روایات)

### ۲۔ باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها

باب اس شخص کے بارے میں جو لوگوں کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے یا جو ہضم کر لینے کی نیت سے لے

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله الأويسي حدثنا سليمان بن بلال عن ثور بن زيد عن أبي الغيث عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال من أخذ أموال الناس يريد أداءها أدى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفه الله.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال لے اور نیت اس کی ادا کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کروا دے گا، جو کوئی مال لے اور نیت اس کی غصب کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع کر دے گا۔

وضاحت: یہ حدیث بہت اچھی طرح واضح ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں سے ان کی نیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر وہ اچھی نیت رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو نیت کا پھل دیتا اور اس کی تکمیل میں مددگار ہوتا ہے۔ جب کسی کی نیت خراب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی بد نیتی کے اثرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرتے ہیں ان کی دولت میں برکت نہیں ہوتی اور وہ طرح طرح کی پریشانیوں اور نقصانات میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے برعکس نیک شخص کے مال میں برکت نظر آتی ہے۔

### ۳۔ باب أداء الديون وقول الله تعالى إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها الآية وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل إن الله نعما يعظكم به إن الله كان سميعا بصيرا

**باب: قرضوں کا ادائیگی** ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور اگر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ کیا ہی خوب نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہیں کر رہا ہے، بے شک اللہ سمیع اور بصیر ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُس حَدَّثَنَا اَبُو شِهَابٍ عَنِ الاَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ اَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا اَبْصَرَ يَعْنِي اُحُدًا قَالَ مَا اُحِبُّ اَنَّهُ يُحَوَّلُ لِي ذَهَبًا يَمْكُثُ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ " فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا دِينَارٌ " اُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الْاَكْثَرِينَ هُمُ الْاَقَلُّونَ، اِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا، وَ اَشَارَ اَبُو شِهَابٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ وَ قَلِيلٌ " مَا هُمْ وَقَالَ مَكَانَكَ وَ تَقَدَّمَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَاَرَدْتُ اَنْ آتِيَهُ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَهُ مَكَانَكَ حَتّٰى آتِيَكَ، فَلَمَّا جَاءَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الَّذِي سَمِعْتُ اَوْ قَالَ الصَّوْتُ الَّذِي سَمِعْتُ قَالَ وَ هَلْ سَمِعْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَ اِنْ وَمَنْ فَعَلَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ:۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا تو جب آپ کو احد پہاڑ نظر آیا تو فرمایا کہ میری آرزو ہوتی ہے کہ احد میرے لیے سونا بن جائے اور پھر میرے پاس اس کا ایک دینار بھی تین دن سے زیادہ نہ رہے، سوائے اس دینار کے جو میں ادائے قرض کے لیے بچاؤں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کتنے زیادہ والے ہیں کہ بہت تھوڑے والے بن جائیں گے، سوائے ان کے جو اپنے مال کو یوں لٹائیں۔ ابوشہاب راوی نے اپنے ہاتھ سے سامنے، دائیں اور بائیں جانب اشارہ کر کے بتایا کہ اس طریقہ سے، اور ایسے لوگ تھوڑے سے ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم یہیں ٹھہرو اور آپ کچھ آگے چلے گئے۔ پھر میں نے کچھ آواز سنی اور ارادہ کیا کہ آپ کے پاس جاؤں لیکن مجھے یاد آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اپنی جگہ پر ٹکے رہنا جب تک میں تمہارے پاس آ نہ جاؤں۔ پھر جب آپ واپس آئے تو میں نے پوچھا یارسول اللہ! میں نے سنا یا وہ آواز جو میں نے سنی کیا تھی۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی تم نے آواز سنی تھی۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری امت کے لوگوں میں سے جو اس حال میں مرے گا کہ شرک کا شائبہ اس کے اندر نہیں ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا اگر اس نے ایسا ایسا کیا ہو تب بھی؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔

۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ يُونُسَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي



عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ اَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي اَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ " وَ عِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ " اِلَّا شَيْءٌ " اُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ رَوَاهُ صَالِحٌ " وَ عُقَيْلٌ " عَنِ الزُّهْرِيِّ.

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تب بھی مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تین دن گزر جائیں اور اس میں سے کچھ سونا میرے پاس رہے۔ ہاں قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے۔

**وضاحت:**۔ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں جو پہلی روایت میں مفصل بیان ہوا ہے۔

اس روایت کے پہلے دو حصے جن میں کوہ احد کے سونا بننے کی خواہش تاکہ اس کو لوگوں میں بانٹا جائے اور پھر زیادہ اور کم مال والوں کا بیان ہوا ہے، لعل و گہر سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ان سے آنحضرت ﷺ کی فیاضی کی صفت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضور کا اس تمنا کا اظہار کرنا کہ اگر کوہ احد سونے کا بن جائے تو میں چاہوں گا کہ اس کو لوگوں میں بانٹ دوں اور یہ کام میں تین دن کے اندر نمٹا دوں، آپ کی غریب پروری اور داد و دہش سے رغبت کی دلیل ہے جو ایک بلند کردار ہے۔ قرض کی ادائیگی کے معاملہ میں بھی حضورؐ بے حد حساس تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ تقسیم کے بعد سونا میرے پاس اتنا ہی بچے جس سے میں قرض ادا کر سکوں۔ اس کے بعد آپ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ دنیا میں مال جمع کرنے والے آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ ان کی کثرت مال قلت مال میں بدل جائے گی۔ ہاں اگر وہ دنیا میں اپنی دولت پر مار گنج بن کر نہ بیٹھیں اور اس کو مستحقین میں دونوں ہاتھوں سے بانٹیں تو ان کا اجر بہت بڑا ہوگا اور وہ فی الواقع کثرت والے بن جائیں گے۔

روایت کا آخری حصہ اس اجمال کے ساتھ غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے۔ قرآن مجید اور خود احادیث میں بھی یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں فلاں گناہوں کو معاف کر دے گا لیکن فلاں چیز معاف نہیں ہوگی۔ حقوق العباد میں چونکہ ایک فریق ثانی بھی ہوتا ہے اس لیے بندوں کی حق تلفیوں کی بہر حال پرسش ہوگی اور دوسرے فریق کا موقف سنے بغیر اور انصاف کیے بغیر معاملہ ختم نہیں ہوگا۔ قرآن میں یہ ضابطہ بھی بیان ہوا ہے کہ جو شخص زنا، قتل اور حقوق الوالدین اور حقوق العباد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو اور اپنے اسی عمل کو اوڑھنا بچھونا بنا لے تو اس کی نجات نہیں ہوگی۔ لہٰذا اس حدیث کے آخری حصہ کی توجیہ یوں کی جائے گی کہ شرک کا شائبہ نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ آدمی شرک کے تمام تضمنات سے پاک رہا

ساتھ [illegible] ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں بھی کسی کو شریک ٹھہرایا جائے یا اس کی صفات میں [illegible] سمجھا جائے [illegible] جو شخص [illegible] شرک میں ملوث ہو گا وہ [illegible] نہیں جائے گا۔ اس سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو گا تو وہ بے شک [illegible] کے لیے ممکن [illegible]

## ٤۔ باب استقراض الابل

## باب: اونٹ قرض پر لینے کے بارے میں

٥۔ حدثنا ابو الولید حدثنا شعبة اخبرنا سلمة بن كهيل قال سمعت ابا سلمة بمنى يحدث عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رجلا تقاضى رسول الله ﷺ فاغلظ له فهم اصحابه فقال دعوه فان لصاحب الحق مقالا واشتروا له بعيرا فاعطوه اياه وقالوا لا نجد الا افضل من سنه قال اشتروه فاعطوه اياه فان خيركم احسنكم قضاء

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور سختی سے کام لیا تو نبی ﷺ کے اصحاب اس کی طرف بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ جس کا حق ہوتا ہے اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے لیے ایک اونٹ خرید دو اور اس کو دے دو۔ لوگوں نے کہا جس عمر کا اس کا اونٹ ہے ویسا نہیں مل رہا اس سے زیادہ عمر کا اونٹ ہی ملتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسی کا انتخاب کر لو اور اس کو دے دو کیونکہ تمہارے درمیان بہترین آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے لحاظ سے بہترین ہے۔

وضاحت: [illegible] آنحضرت ﷺ [illegible] زیادہ عمر والا اونٹ [illegible] واپس کر [illegible]۔ کیونکہ بہترین آدمی [illegible] معاملہ میں بھی بہترین [illegible] کام ایسے ہوتے ہیں جن [illegible] آدمی کے ساتھ [illegible] ہے۔ اگر ایک شخص کسی [illegible] معاملہ میں صاف ہے تو اس [illegible] اور شعبوں میں بھی [illegible] کے ساتھ [illegible] نہیں [illegible] اور اپنے [illegible] دوسرے کئی معاملات میں بھی وہ لازماً ظاہر ہو گا۔



[illegible] اس روایت میں ایک جھگڑا ہے اور وہ ہے جانوروں کے قرض لینے دینے کے بارے میں۔ عاریت کا معاملہ تو الگ ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں ذرا اپنا گھوڑا دے دیجئے، فلاں جگہ جانا ہے، شام تک لوٹا دوں گا۔ یا اپنی بکری چند دن کے لیے دے دیجئے، بچوں کے دودھ کا مسئلہ ہے تو اس طریقے کی بات عاریت ہے۔ لیکن یہ کہ دو بکریاں یا دو خچر قرض لیتا ہوں، وقت آنے پر وہ دوسری بکریاں یا خچر واپس دے دوں گا تو یہ قرض کی شکل ہے۔ اس شکل میں نزاع پیدا ہو سکتی ہے کہ میرے جانور اعلیٰ درجہ کے تھے، آپ جو واپس دے رہے ہیں ادنیٰ ہیں۔ اسی وجہ سے دوسرے فقہاء کے برعکس احناف جانوروں کے قرض کو نہیں مانتے۔ وجہ غالباً یہی ہے کہ صحیح مماثلت کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ آپ نے دو سالہ اونٹ لیا لیکن دو سالہ اونٹوں میں قدر و قیمت کے لحاظ سے بہت اختلاف ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے سن کے اعتبار سے اونٹ میں بات چل جائے لیکن گھوڑے اور دوسرے جانوروں میں نہ چلے۔ اس وجہ سے مخاصمت اور نزاع برپا ہو سکتی ہے۔ اور اسلام کے اصولوں میں یہ بات ہے کہ جس چیز میں نزاع اور مخاصمت برپا ہونے کا اندیشہ ہو وہ اس کا سدباب کرنا چاہتا ہے۔ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واپس دینے کے لیے اونٹ خریدا۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے صدقے کے اونٹ آئیں گے تو پھر تمہیں دے دیں گے۔ تو جہاں اس معاملہ کا رواج ہو وہاں کے لوگ اس سے مانوس ہوں گے لیکن ہمارے معاشرہ میں شاید اس چیز کا امکان نہیں ہے کہ آپ کامیاب ہوں اور شاید اسی وجہ سے احناف جانوروں کے قرض کے مخالف ہیں۔ حدیث کے بارے میں مجھے کوئی اشتباہ نہیں ہے اس لیے کہ روایت دوسرے طریقوں سے بھی آئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں اس طریقے سے اونٹ کا بیوپار ہوتا رہا ہے۔ پس جہاں اس طریقہ کا رواج ہو اور نزاع اور مخاصمت کا امکان نہ ہو وہاں جانوروں کے قرض کا لین دین ٹھیک ہے۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ ہر جگہ کامیاب نہیں ہو سکتا اس لیے احناف کی رائے اپنی جگہ پر صحیح ہے اور میں ان کی رائے کے ساتھ ہوں۔ حدیث کا محل اپنی جگہ ٹھیک ہے۔

## ٥۔ باب: حُسْنِ التَّقَاضِي

## باب: نرمی سے تقاضا کرنے کے بارے میں

٦۔ حدثنا مسلم حدثنا شعبة عن عبد الملك عن ربعي عن حذيفة رضي الله عنه قال سمعت النبي ﷺ يقول مات رجل فقيل له قال كنت ابايع الناس فاتجوز عن الموسر واخفف عن المعسر فغفر له قال ابو مسعود سمعته عن النبي ﷺ

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص مرا تو اس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا، جو لوگ کشادہ حال ہوتے ان سے درگزر کرتا اور جو لوگ تنگ دست ہوتے ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا تھا، تو اس کے گناہ بخش دیے گئے۔ ابو مسعود کہتے ہیں کہ یہ بات میں نے بھی نبی ﷺ سے سنی ہے۔

وضاحت:۔ اس روایت میں بہت کچھ حذف ہے۔ فقیل لہ' اس شخص سے کہا گیا یا پوچھا گیا، کیا کہا گیا یا کیا پوچھا گیا؟ اسکا ذکر نہیں ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا اور پوچھا گیا کہ دنیا میں کیا کر کے آئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں لوگوں سے لین دین کا معاملہ کرتا تھا تو جو خوش حال ہوتے تھے ان سے بھی نرم معاملہ کرتا تھا اور جو تنگ حال ہوتے تھے ان کو بھی مہلت دے دیتا یا ان کا بوجھ کم کر دیتا تھا۔ اس کی اس نیکی پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔

روایت کے الفاظ سے یہ مضمون نکالا جا سکتا ہے۔ دوسری جگہ مکمل روایت بھی آئی ہے جس میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ روایت موجود تھی، امام صاحب کے علم میں بھی تھی اور ان کے معیار پر بھی پوری اترتی تھی تو یہ نا تمام مجوبہ روایت لینے کے کیا معنی۔ یہاں اس روایت میں اتنا کچھ حذف ہے اور یہ ہے بھی حذف کے اصولوں کے خلاف جو کسی راوی کی کم علمی کے باعث ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ کتاب کی ترتیب کا نقص ہے کہ امام صاحب نے یہ نا تمام روایت قبول کر لی۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ مرنے والے کے اپنا عمل بتانے پر اس کو بخش دیا گیا۔ حالانکہ ابھی قیامت واقع نہیں ہوئی۔ ابھی عالم برزخ ہے۔ تو یہ بات اس صنف میں داخل ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے بہت سارے واقعات کو آنحضرت ﷺ پر واقعہ کی شکل میں الہام کیا گیا تا کہ آپ ان واقعات سے آگاہ ہو جائیں۔ یہاں آپ کو دکھا دیا گیا کہ اس شخص کی مغفرت ہو گئی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا صرف اسی عمل پر اس شخص کی مغفرت ہو گئی تو اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ نیکی ان نیکیوں میں سے ہے جو تنہا نہیں آتیں بلکہ ان کا کنبہ ہوتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ دنیا میں جو ذرہ برابر نیکی کرے گا قیامت کے روز اس کو دیکھے گا۔ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا۔ نیکی اور بدی دونوں کا تول ہوگا اور اگر نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا تو نجات ہو جائے گی۔ جب دونوں پلڑے برابر سرابر ہوں تو ایک چھوٹی سی نیکی بھی توازن میں پلڑے کو بھاری کر سکتی ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ اس آدمی کی چھوٹی سی نیکی نے نیکی کے پلڑے کو بھاری کر دیا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کیونکہ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ اگر



کہا جائے کہ اس عمل کے باعث اس کو نجات مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس عمل نے اس کے پلڑے کو بھاری کر دیا اور یہ چھوٹا سا عمل اس میں فیصلہ کن عامل (Deciding Factor) بن گیا۔

## ٦ . بَابُ هَلْ يُعْطَى أَكْبَرَ مِنْ سِنِّهِ

## باب: جس عمر کا جانور لیا گیا کیا اس سے بڑی عمر کا واپس دیا جا سکتا ہے

٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَتَقَاضَاهُ بَعِيرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْطُوهُ، فَقَالُوا مَا نَجِدُ إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَوْفَيْتَنِي أَوْفَاكَ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْطُوهُ فَإِنَّ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ أَحْسَنَهُمْ قَضَاءً

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تقاضا کیا کہ میرا اونٹ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو دے دو تو لوگوں نے کہا کہ ہم (ایسا اونٹ نہیں پاتے جو اس کے اونٹ کے سن کا ہو بلکہ) اس کے اونٹ کے سن سے زیادہ کا اونٹ پاتے ہیں۔ تب وہ شخص کہنے لگا آپ نے میرا پورا حق دے دیا، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا ثواب دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی اونٹ دے دو۔ اچھے وہی لوگ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کریں۔

وضاحت:۔ عنوان باب میں مسئلہ زیر غور یہ تھا کہ جس عمر کا اونٹ قرض لیا گیا تھا تو کیا اس سے بڑی عمر کا اونٹ واپس دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ روایت میں یہ ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ اس سے بڑی سن کا اونٹ ملتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا بڑی عمر ہی کا دے دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرض کی ادائیگی میں اپنی رضا سے فیاضانہ طور پر کوئی اصل سے زیادہ واپس کرے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔ البتہ کسی چیز کی پابندی قبول کرنا یا عاید کرنا کہ اتنا دے رہا ہوں اور اتنا لوں گا، ربا کے حکم میں ہوگا۔

اس روایت کو راوی نے تو زمرد کر پیش کیا ہے اور امام صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے یہ روایت لے لی ہے حالانکہ دوسری جگہ پر روایت واضح لفظوں میں موجود ہے۔ یہاں روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا اس کے اونٹ کے سن سے زیادہ سن کا اونٹ پاتے ہیں تو آدمی نے کہا آپ نے میرا پورا حق دے دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو پورا ثواب دے۔ اس آدمی کا یہ قول یہاں قبل از وقت ہے۔ اس کا موقع تو اس وقت پیدا ہوا جب حضورؐ نے فرمایا کہ وہی بڑی عمر کا اونٹ اس کو دے دو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر اس آدمی نے کہا ہوگا کہ آپ نے حق پورا دیا اللہ تعالیٰ آپ کو اجر پورا دے۔ یہ کتابت کی غلطی نہیں

یہ روایت کی غلطی ہے [illegible]

## ۷. بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ

## باب: اچھی طرح سے قرض ادا کرنا

۸. حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سِنٌّ مِنَ الْإِبِلِ فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ ﷺ أَعْطُوهُ فَطَلَبُوا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا فَقَالَ أَعْطُوهُ فَقَالَ أَوْفَيْتَنِي وَفَّى اللَّهُ بِكَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا نبی ﷺ کے ذمہ ایک خاص سن کا اونٹ واجب الادا تھا۔ وہ تقاضا کرنے آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا اسے اونٹ دے دو۔ لوگوں نے اس سن کا اونٹ تلاش کیا تو نہیں ملا بلکہ اس سے زیادہ عمر کا اونٹ تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا وہی دے دو۔ اس شخص نے کہا: آپ نے میرا حق پورا کیا اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر پورا دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے لحاظ سے بہترین ہے۔

وضاحت: یہ حدیث بالکل ٹھیک روایت ہوئی ہے۔ جب امام صاحب کے دوسرے نقل میں یہ واضح روایتیں موجود تھیں تو ان کے لیے دوسرے راوی کی ٹھیک ایسی روایت نقل کرنا مناسب تھا جس میں الفاظ کی ترتیب درست نہیں ہے۔

۹. حَدَّثَنَا خَلَّادٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ أُرَاهُ قَالَ ضُحًى فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تھے۔ مسعر کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں انہوں نے بتایا کہ چاشت کا وقت تھا۔ آپ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھو۔ میرا کچھ قرض آپ پر نکلتا تھا تو آپ نے وہ ادا کیا اور مجھے کچھ زیادہ بھی دیا۔

وضاحت: یہ روایت مختلف شکلوں میں امام صاحب جگہ جگہ لا رہے ہیں اور ہر جگہ اس کا اتنا حصہ کاٹ لیتے ہیں کہ جتنا ان کے باب کے مضمون کو ثابت کرنے کے لیے درکار ہوتا ہے۔ یہ مختصر حدیث اصل میں



سفر کے دوران نبی ﷺ کے اس سودے کی روایت کا حصہ ہے جس میں آپ نے جابرؓ سے ان کا اونٹ خریدا۔ آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ مختلف شکلوں میں عنایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت جابرؓ کا اونٹ چل نہیں رہا ہے تو آپ نے اس کو مارا تو وہ دوڑنے لگا۔ آپ نے چاہا کہ حضرت جابرؓ کی اس اونٹ سے جان چھڑا دیں۔ آپ نے ان سے پوچھا بیچو گے؟ تو انہوں نے کہا آپ کی نذر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں، اس کو بیچو۔ پھر آپ نے اس اونٹ کو خرید لیا اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ اس پر مدینہ تک سوار چلیں اور وہاں وہ اس کو لے لیں گے۔ سفر کے دوران آپ نے جابرؓ سے ان کے گھریلو مسائل کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اندازہ لگایا کہ وہ خاصے تنگ دست ہیں۔ اس طریقہ سے آپ نے حضرت جابرؓ کی دلداری کے لیے یہ اونٹ خریدا۔ اس کے بعد مدینہ جاکر آپ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ جابرؓ کو اتنی چاندی دے دو اور اس پر کچھ اضافہ کر دو۔ یہ اضافہ آنحضرت ﷺ کا کرم تھا۔ امام صاحب نے اسی پر باب باندھا ہے "حسن القضاء"۔

اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت جابرؓ جب اونٹ دینے کے لیے مسجد میں گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو۔ یہ نماز تحیۃ المسجد ہوگی۔ اگر جائز وقت ہو تو دو رکعت نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ وقت جائز کا مطلب طلوع وغروب آفتاب کے علاوہ اوقات ہیں۔ میرے نزدیک نماز عصر کے بعد اور فجر کی نماز کے بعد بھی نوافل کے لیے جائز وقت ہوتا ہے۔

## ۸. بَابُ إِذَا قَضَى دُونَ حَقِّهِ أَوْ حَلَّلَهُ فَهُوَ جَائِزٌ

## باب: اس بارے میں کہ اگر کسی کے حق سے کم کا فیصلہ کیا جائے یا حق سے سبکدوش کیا جائے تو یہ جائز ہے۔

۱۰. حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوا تَمْرَ حَائِطِي وَيُحَلِّلُوا أَبِي فَأَبَوْا فَلَمْ يُعْطِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ حَائِطِي وَقَالَ سَنَغْدُو عَلَيْكَ فَغَدَا عَلَيْنَا حِينَ أَصْبَحَ فَطَافَ فِي النَّخْلِ وَدَعَا فِي ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ فَجَدَدْتُهَا فَقَضَيْتُهُمْ وَبَقِيَ لَنَا مِنْ تَمْرِهَا

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد احد میں شہادت پا کر قتل ہو

گئے۔ ان کے ذمہ قرض رہ گیا تو قرض خواہوں نے اپنے حقوق کی طلبی میں سختی کی۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے قرض خواہوں سے کہا کہ ان کے باغ کا پھل قبول کر لیں اور ان کے والد کو قرض سے بری کر دیں۔ ان لوگوں نے انکار کر دیا تو نبی ﷺ نے ان کو باغ نہیں دیا اور مجھ سے فرمایا کہ میں کل آؤں گا۔ صبح ہوئی تو آپ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے پورے باغ کا چکر لگایا اور اس کے پھلوں میں برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد میں نے پھل اتارے۔ اس سے میں نے قرض خواہوں کا سارا قرضہ بھی ادا کر دیا اور ہمارے لیے باغ کے کھجور بچ بھی رہے۔

**وضاحت:**۔ پہلے تو آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا کہ قرض خواہ باغ کا پھل لے لیں اور قرض کا مطالبہ نہ کریں۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے ان کو پھل کی مقدار کم محسوس ہوئی۔ اسی پر امام صاحب نے باب باندھا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کوشش کی کہ قرض خواہ کم پر راضی ہو جائیں لیکن جب وہ راضی نہ ہوئے تو آپ نے معاملہ اگلے دن پر چھوڑا۔ علی الصبح آپ نے پورے باغ میں چکر لگا کر پھل میں برکت کی دعا فرمائی اور جابر کو پھل توڑنے کا حکم دیا۔ پھل توڑا گیا تو سارا قرضہ بھی ادا ہو گیا اور ان کے گھر کے لیے کھجور بچ بھی رہے۔

روایت میں جو معاملہ بیان ہوا ہے اس میں قرض خواہوں نے اپنا حق کم کرنے کا فیصلہ قبول نہیں کیا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس پر اصرار نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ والوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اگر وہ راضی ہوں تو معاملہ درست ہوگا۔ باب کی عبارت سے یہ بات نہیں نکلتی۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

❀❀❀❀❀



مولانا امین احسن اصلاحی

# درس موطا امام مالکؒ

## (کتاب الاعتکاف کی روایات)

۱۲۔ وحدثنی زیاد عن مالک عن هشام بن عروة عن ابیه ان رسول الله ﷺ قال تحروا لیلة القدر فی العشر الاواخر من رمضان.

ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔

**وضاحت:** میرے نزدیک مرجح قول آخری عشرہ کی طاق راتیں ہیں۔ تحری کے معنی یہ ہیں کہ یہ اہم رات ہے اس میں زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرو۔ جاگو گے، ذکر کرو گے تو امید یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر خاص فضل ہوگا۔

۱۳۔ و حدثنی زیاد عن مالک عن عبدالله بن دینار عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال: تحروا لیلة القدر فی السبع الاواخر. و حدثنی زیاد عن مالک عن ابی النضر مولیٰ عمر بن عبیدالله ان عبدالله بن انیس الجهنی قال لرسول الله ﷺ یا رسول الله انی رجل شاسع الدار، فمر فی لیلة انزل لها، فقال له رسول الله ﷺ انزل لیلة ثلاث و عشرین من رمضان.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جستجو کرو لیلۃ القدر کی آخری سات راتوں میں۔ اور عبداللہ بن انیس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ میرا گھر دور ہے تو میرے لیے یہ رات معین کر دیجئے کہ مسجد میں آ جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ۲۳ ویں رات کو آ جایا کرو۔

**وضاحت:** یہ جو فرمایا کہ آخری سات راتوں میں تو یہ آخری عشرہ ہی ہے اور روایت بالمعنی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے، کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ۲۳ ویں رات کو آ جایا کرو تو ظاہر ہے کہ اب بھی رات متعین نہیں ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ ۲۳ ویں رمضان کو ترجیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی مظنہ جس رات کو سمجھا ہے اس کے متعلق فرما دیا۔

۱۴۔ حدثنی زیاد عن مالک عن حمید عن انس بن مالک انه قال: خرج علینا رسول الله ﷺ فی رمضان فقال انی اریت هذه اللیلة فی رمضان حتی تلاحی رجلان فرفعت، فالتمسوها فی التاسعة و السابعة و الخامسة۔

ترجمہ: انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں ایک روز نکلے تو فرمایا کہ رویا میں مجھے یہ رات رمضان میں دکھائی گئی۔ آدمی جھگڑنے لگے تو اس کا علم اٹھا لیا گیا۔ تو اس کو تلاش کرو ۲۹ ویں، ۲۷ ویں اور ۲۵ ویں میں۔

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا۔ مطلب یہ کہ خواب میں دکھایا گیا کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے۔ پھر دو آدمی جھگڑنے لگے اور اس طرف توجہ ہوگئی۔ انسان بھول سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مشاء الٰہی یہی تھا کہ معین نہ ہونے پائے اس لیے یہ حادثہ پیش آ گیا۔ جھگڑنے والے دو آدمی کون تھے؟ میرے نزدیک یہ رویا ہی کا حصہ ہے۔

۱۵۔ حدثنی زیاد عن مالک عن نافع عن ابن عمر ان رجالا من اصحاب رسول الله ﷺ اروا لیلة القدر فی المنام فی السبع الاواخر، فقال رسول الله ﷺ اری رؤیاکم قد تواطأت فی السبع الاواخر، فمن کان متحریها، فلیتحرها فی السبع الاواخر۔

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بہت سے لوگوں کو خواب میں دکھایا گیا کہ لیلۃ القدر سبع آخر میں ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں سبع آخر کے بارے میں تمہارے خواب متفق ہیں تو جو اس کا طالب بننے والا ہے چاہیے کہ سبع آخر میں تلاش کرے۔

وضاحت: اس سے یہ معلوم ہوا کہ رویا کی نوعیت کیا ہے۔ بہت سے لوگوں کو رویا میں یہ نظر آئی کہ سبع آخر میں یہ رات ہے۔ متعین طریقہ پر انہیں بھی اتنا ہی معلوم ہوا کہ اس پہلو کو ترجیح حاصل ہے۔

۱۶۔ وحدثنی زیاد عن مالک انه من یثق به من اهل العلم یقول ان رسول الله ﷺ اری اعمار الناس قبله، او ماشاء الله من ذالک، فکانه تقاصر اعمار امته ان لا یبلغوا من العمل مثل الذی بلغ غیرهم فی طول العمر، فاعطاه الله لیلة القدر خیر من الف شهر۔

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ انہوں نے سنا اہل علم میں ان سے کہ جن کے اوپر ان کو اعتماد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں، پہلی امتوں کی یا اس میں سے جو اللہ نے چاہا تو آپ نے محسوس کیا



کہ آپ کی امت کی عمریں کم ہیں تو وہ عمل میں اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جس درجہ کو طول عمر والے پہنچ سکتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر دے دی جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

وضاحت: یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے کہ عمل کا تعلق طول عمر سے نہیں ہے۔ طول عمر تو آدمی کے لیے فتنہ بھی ہو سکتا ہے۔ عمل کا تعلق بہر حال توفیق خیر سے ہے۔ وہ ہو تو آدمی چھوٹی عمر میں بھی بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بچے جو مر جاتے ہیں اس اعتبار سے خوش قسمت ہیں کہ جنت کے پھول ہو جائیں گے۔ ایک گناہ بھی ان سے صادر نہیں ہوا۔ تو شامت اعمال تو عمر ہے۔ قرآن کی رو سے بات معقول ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جس طریقہ سے ایک شخص اہل کتاب میں سے ہو، اس کا ایمان پکا ہو اور آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لائے تو اس کا اجر دوہرا ہوگا۔ قرآن مجید میں اس امت کے لیے دوہرے اجر کا ذکر ہے تو اس کے ہوتے ہوئے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

امام مالک کہتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے اہل علم میں سے ان سے سنی ہے جن پر ان کو اعتماد ہے۔ نام نہیں لیا، شاید اس لیے نہیں لیا کہ نام لیتے تو اعتراض ہوتا۔ یہ اصول روایت کے خلاف ہے اس لیے کہ شیخ کو حذف نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ مجرد ان کے اپنے ذوق کی بات ہو۔ بات تو ہو گی لیکن اس بات کی کوئی علت سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۷۔ وحدثنی زیاد عن مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب کان یقول: من شهد العشاء من لیلة القدر فقد اخذ بحظه منها۔

ترجمہ: سعید بن مسیب فرماتے تھے کہ جس نے لیلۃ القدر میں عشاء کی نماز پڑھی اس نے اپنا حصہ اس میں سے لے لیا۔

وضاحت: تیری آواز مکے اور مدینے، ہماشما کے لیے بہت ہی عمدہ بات ہے۔ دوسری روایت میں فجر کی نماز کے بارے میں بھی آتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اصل بات انہوں نے کہہ دی ہے باقی رہ گیا کہ فجر بھی پڑھنی چاہیے۔ یہ واقعہ ہے کہ آدمی عشاء پڑھ لیتا ہے اور فجر بھی پڑھ لیتا ہے تو ہماشما کے لحاظ سے یہی ہے۔ تہجد کی دو چار رکعتیں بھی پڑھ لیتا ہے تو اخص الخواص میں شامل ہو گیا۔ بہر حال آپ کو جو کچھ اس میں سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس عظیم رات کی قدر و قیمت سے بے خبر نہ رہیں۔

# کتاب الوضوکی روایات

## (۱۶) باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته

## باب: ایک شخص کے اپنے اہل کا بوسہ لینے سے وجوب وضو

۱۔ حدثنی یحیی عن مالک عن ابن شہاب عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ عبداللہ ابن عمر انہ کان یقول: قُبلۃ الرجل امرأتہ و جسّھا بیدہ من الملامسۃ۔ فمن قبل امرأتہ او جسّھا بیدہ فعلیہ الوضوء۔

ترجمہ:۔ سالم بن عبداللہ اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ایک شخص کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا ملامست کے حکم میں داخل ہے۔ تو جس شخص نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اس نے اس کے جسم کو چھوا تو اس پر وضو لازم ہے۔

وضاحت:۔

جسّ: ٹٹولنا۔ تپاک لگانے کے لیے ہاتھ سے چھونا۔

ملامسہ: عورتوں سے ہم صحبت ہونا۔ ملامست کے معنی اصلاً تو چھونے اور ہاتھ لگانے ہی کے ہیں۔ لیکن یہ کنایہ ہے مباشرت سے۔ ان معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ استعمال ہوا ہے:

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (النساء ۴:۴۳، المائدہ ۵:۶) یا تم عورتوں سے ہم صحبت ہوئے ہو۔

میرے نزدیک روایت میں ملامست سے جو استنباط کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اور وہ کسی پہلو سے بھی ثابت نہیں ہے۔ یہ میں قرآن مجید کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں کہ اس معاملے میں بالکل غلط تاویل کی گئی ہے۔ لغوی مفہوم اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ سیاق و سباق اس کے بالکل منافی ہے۔ یہاں کنایہ میں مباشرت کو ملامست سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بہر حال یہ عبداللہ ابن عمر کا تشدد کا مذہب ہے۔ اس معاملے میں احناف کا عمل حضرت عائشہؓ کی روایت پر ہے۔

۲۔ و حدثنی عن مالک انہ بلغہ ان عبداللہ بن مسعود کان یقول: من قُبلۃ الرجل امرأتہ الوضوء۔

ترجمہ:۔ امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص کے اپنے



اہل کا بوسہ لینے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

۳۔ و حدثنی عن مالک عن ابن شہاب انہ کان یقول: من قُبلۃ الرجل امرأتہ الوضوء۔

قال نافع: قال مالک: و ذالک احبّ ما سمعتُ الیّ۔

ترجمہ:۔ ابن شہاب کہا کرتے تھے کہ کسی شخص کے اپنے اہل کا بوسہ لینے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔

نافع کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کہ اس باب میں میں نے جو کچھ سنا اس میں یہ روایت سب سے بہتر ہے۔

وضاحت:۔ ان روایات کے مطابق بھی اپنے اہل کا بوسہ لینے کی صورت میں وضو واجب ہو جائے گا۔ میں اس معاملے میں کہتا ہوں کہ یہ احتیاط تشدد کی حد تک ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سیدہ عائشہؓ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے بہت سی غلط فہمیاں رفع فرما دیں۔

## (۱۷) باب العمل فی غسل الجنابة

## باب: غسل جنابت کیسے کیا جائے

۱۔ و حدثنی یحیی عن مالک عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ام المومنین ان رسول اللہ ﷺ کان اذا اغتسل من الجنابۃ بدا بغسل یدیہ ثم توضا کما یتوضا للصلاۃ۔ ثم یدخل اصابعہ فی الماء فیخلل بہا اصول شعرہ۔ ثم یصب علی راسہ ثلاث غرفات بیدیہ۔ ثم یفیض الماء علی جلدہ کلہ

ترجمہ:۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت سے غسل فرماتے تھے تو اپنے ہاتھوں کے دھونے سے آغاز فرماتے۔ پھر وضو کرتے جس طریقے سے نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ پھر آپؐ اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان سے اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے۔ پھر اپنے سر پر چلو سے تین مرتبہ پانی ڈالتے۔ پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہاتے تھے۔

وضاحت:۔ انسانی شخصیت کی تادیب و تہذیب کے لیے اصول تو اصول جزئیات تک میں جو اہتمام دین اسلام میں رکھا گیا ہے دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ باب بھی کچھ ایسے ہی امور سے بحث کرتا ہے۔ اب تو دنیا کو سب معلوم ہے لیکن جب دنیا کو یہ سب چیزیں معلوم نہ تھیں تو اس وقت کو ذرا قیاس کیجئے۔ واقعہ یہ

ہے کہ حضرت انسان کو کسی چیز کا بھی شعور نہیں تھا۔ ان زمانوں میں بھی لوگ کپڑے چاہے اچھے ہی پہنتے رہے ہوں۔ ان کا کھانا پینا بھی شاندار رہا ہو لیکن ان تمام چیزوں کو اسلام نے مذہب کے تحت لا کر ہر چیز کو گویا اندر اور باہر سے مؤدب اور مہذب بنانے کی جو رہنمائی دی ہے وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اس روایت میں غسل جنابت کا مفصل بیان ہے۔ دیکھیے کتنے فطری اور سائنٹیفک طریقہ سے غسل کا کتنا مہذب طریقہ تعلیم ہوا ہے۔ اس میں کوئی بے ترتیبی آپ نے ذرا بھی کر دی تو آپ کی بد مذاقی غسل خانے کے اندر سے پکارے گی کہ یہ آدمی بد تمیز ہے، اس کو کوئی سلیقہ نہیں ہے۔ غسل سے متعلق تمام چیزوں کو جس ترتیب سے دھویا جانا چاہیے نبی ﷺ نے بتا دیا ہے۔ اب یہ سب کچھ پیغمبر کے سوا کون بتا سکتا ہے؟ کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا!

نبی ﷺ کی ایسی تمام ہدایات کو صحابہ کرام نے لوگوں میں پھیلایا اور حکومت ان کی تعلیم کا اہتمام کرتی۔ حضرت عمرؓ کو لوگوں کی تربیت سے خاص دلچسپی تھی جس کے سبب سے ایرانی سپہ سالار نے چیخ کر کہا تھا کہ 'اکل عمر کبدی یعلم الکلاب الاداب' (یہ عمر تو میرا کلیجہ کھا گیا! یہ کتوں کو تہذیب سکھا رہا ہے!) یہ واقعہ ہے کہ تہذیب سکھانے اور لوگوں کو مؤدب بنانے میں حضرت عمرؓ نے جن امور کا لحاظ فرمایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے قدم قدم پر لوگوں کو شائستگی کی تعلیم دی اور ان کی بود و باش، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، لباس، آداب معاشرت و مجلس وغیرہ ہر چیز میں جزئیات تک کا اہتمام فرمایا اور وہ برابر یہ تعلیم و تربیت دیتے رہے۔

۲۔ وحدثنی عن مالک عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ ام المؤمنین ان رسول اللہ ﷺ کان یغتسل من اناء ھو الفرق من الجنابۃ.

ترجمہ:۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے جو چھوٹے لگن کی طرح تھا غسل جنابت فرمایا کرتے تھے۔

وضاحت:۔ الفرق: لگن کی طرح کا چوڑا برتن مراد ہے۔ بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ہمارے پیمانے کے مطابق تین لٹر کے بقدر پانی آتا تھا۔

اس روایت سے نبی ﷺ کا معمول غسل جنابت میں استعمال کیے جانے والے پانی کی مقدار کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ پانی کے استعمال میں کسی قسم کی تحدید نہیں ہے اور یہ فرق (لگن) بھی کم و بیش ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ہر چیز کی طرح پانی کے استعمال میں بھی



کفایت کا اصول پسندیدہ ہے۔ غسل جنابت کے لیے بہت زیادہ پانی بہانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بس تھوڑے پانی سے بھی اطمینان حاصل کیجیے۔ کفایت اور احتیاط کی اگر عادت ہو جائے تو مشکل سے مشکل حالات میں بھی آدمی آسودگی محسوس کرتا ہے۔ اگر آدمی دریا کے کنارے بھی ہو تو وضو اور غسل میں اس عادت کو قائم رکھنے میں بہتری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا۔ آدمی اگر پانی کے استعمال میں اسراف کا عادی ہو جائے تو بعض اوقات خواہ مخواہ تنگی محسوس کرتا ہے۔

۳۔ وحدثنی عن مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان اذا اغتسل من الجنابۃ بدا فافرغ علی یدہ الیمنی فغسلھا. ثم غسل فرجہ. ثم مضمض واستنثر. ثم غسل وجھہ و نضح فی عینیہ. ثم غسل یدہ الیمنی ثم الیسری. ثم غسل راسہ. ثم اغتسل و افاض علیہ الماء.

ترجمہ:۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب جنابت سے غسل کرتے تھے تو شروع میں اپنے دائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر اس کو دھوتے۔ پھر وہ اپنے عضو کو دھوتے۔ پھر کلی کرتے اور ناک صاف کرتے۔ پھر وہ اپنا چہرہ دھوتے اور اپنی آنکھوں میں پانی ڈالتے تھے۔ پھر وہ اپنا دایاں ہاتھ دھوتے تھے پھر بایاں ہاتھ۔ پھر وہ اپنا سر دھوتے تھے۔ پھر وہ غسل کرتے اور اپنے اوپر پانی بہاتے تھے۔

وضاحت:۔ اس روایت میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شان تشدد پوری طرح نظر آتی ہے۔ میری رائے میں پہلی روایت میں آنحضرت ﷺ کا سہل طریقہ زیادہ آسان اور قابل عمل ہے اسی کو معمول بنائیے۔ وہ کافی ہے۔

۴۔ وحدثنی عن مالک انہ بلغہ ان عائشۃ سئلت عن غسل المراۃ من الجنابۃ فقالت لتحفن علی راسھا ثلاث حفنات من الماء ولتضغث راسھا بیدیھا.

ترجمہ:۔ امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ عورت جنابت سے کس طرح نہائے۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے سر پر تین چلو پانی کے ڈالے۔ پھر وہ اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے کھولے۔

وضاحت:۔ ولتضغث راسھا: یعنی اپنے بالوں کو اچھی طرح سے کھولے تاکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔ بالوں کا یہ کھولنا ہی اضافی امر ہے۔ یعنی یہی خاص بات تھی جو بتا دی۔ باقی سارے کے سارے وہی آداب ہیں جو اس باب کی پہلی روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی عورت کو خاص طریقے سے

یوں پانی ڈال کر کے اپنے بالوں کو کھول لینا چاہیے۔ یہ نہیں ہے کہ بال بندھے ہوئے ہوں اور غسل کرے۔ تب وہ غسل نہیں ہوگا۔ اس احتیاط کے سوا باقی سب غسل مردوں سے مشترک ہے۔

## (۱۸) باب واجب الغسل اذا التقی الختانان

## باب: دخول عضو سے وضو کا واجب ہو جانا

۱۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ: اِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن میتب سے روایت ہے کہ حضرات عمر بن خطابؓ، عثمان بن عفانؓ اور ام المومنین عائشہؓ فرماتے تھے کہ جب دخول عضو ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

وضاحت:۔ اذا مسّ الختانُ الختانَ: مباشرت کے لیے یہ زبان کا ایک محاورہ ہے۔ لغوی حیثیت سے اس میں مجانست کا اصول ملحوظ ہے۔ اس باب کی روایات ایک شبہ دور کرنے کے لیے بیان کی گئی ہیں کہ وجوب غسل جنابت کا نقطۂ آغاز کیا ہے۔ ان سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ مجرد دخول عضو اس کے لیے کافی ہے۔ یہ سوال اس لیے بھی پیدا ہوا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ الماء بالماء کی رو سے جب تک انزال نہ ہو یعنی مرد فارغ نہ ہو اس وقت تک غسل واجب نہیں ہوتا۔ امت کے اکابر نے وضاحت کر دی کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ معاملہ جب مجرد دخول کی حد تک پہنچ جائے تو پھر اس کے بعد انزال کی شرط نہیں ہے۔ اور معاملے کی اس سطح پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۲۔ وَ حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ عَنْ اَبِی النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهُ قَالَ: سَاَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ مَا یُوْجِبُ الْغُسْلَ؟ فَقَالَتْ: هَلْ تَدْرِیْ مَا مَثَلُکَ یَا اَبَا سَلَمَةَ؟ مَثَلُ الْفَرُّوْجِ یَسْمَعُ الدِّیَکَةَ تَصْرُخُ فَیَصْرُخُ مَعَهَا. اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ترجمہ:۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ غسل کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابوسلمہ! تم جانتے ہو کہ تمہاری اپنی مثال کیا ہے؟ جیسے مرغی کا چوزا مرغوں کو بانگ دیتے ہوئے سنتا ہے تو وہ بھی بانگ دینے لگتا ہے۔ جب دخول کا عمل ہو جائے تو



غسل واجب ہو جاتا ہے۔

وضاحت:۔ هَلْ تَدْرِیْ ... فَیَصْرُخُ مَعَهَا: یعنی تمہارے پوچھنے کا سوال یہ تھا نہیں۔ ابھی تمہیں پیدا ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں اور تم اس طرح کے سوال کر رہے ہو۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ تمہیں سوال کا جواب مل جاتا۔ تاہم میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔

۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّ اَبَا مُوْسَی الْاَشْعَرِیَّ اَتٰی عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: لَقَدْ شَقَّ عَلَیَّ اخْتِلَافُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ اَمْرٍ اِنِّیْ لَاُعْظِمُ اَنْ اَسْتَقْبِلَکِ بِهٖ. فَقَالَتْ مَا هُوَ؟ مَا کُنْتَ سَائِلًا عَنْهُ اُمَّکَ فَسَلْنِیْ عَنْهُ فَقَالَ: الرَّجُلُ یُصِیْبُ اَهْلَهٗ ثُمَّ یُکْسِلُ وَلَا یُنْزِلُ؟ فَقَالَتْ: اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ. فَقَالَ اَبُوْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیُّ: لَا اَسْاَلُ عَنْ هٰذَا اَحَدًا بَعْدَکِ اَبَدًا.

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن میتب سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے دل پر ایک مسئلے پر اصحاب نبی (ﷺ) میں اختلاف کی وجہ سے بڑا بوجھ ہے۔ اور میں یہ بہت بڑی بات سمجھتا ہوں کہ اس کو آپ کے سامنے ذکر کروں۔ تاہم! تو انہوں نے کہا کہ کیا معاملہ ہے؟ اپنی ماں سے جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو! تو انہوں نے کہا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اہل سے ملتا ہے۔ پھر سست پڑ جاتا ہے لیکن اس کو انزال نہیں ہوتا (تو ایسی شکل میں کیا ہے) تو انہوں نے جواب دیا کہ جب دخول کا عمل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ بس آپ کی اس تصریح کے بعد، اب میں اس معاملے میں کبھی بھی کسی سے نہیں پوچھوں گا۔

وضاحت:۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں صحابہؓ میں واقعی اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

اِنِّیْ لَاُعْظِمُ اَنْ اَسْتَقْبِلَکِ بِهٖ: مطلب یہ ہوا کہ اس بارے میں آپ سے پوچھنا گستاخی تو ہے لیکن بہرحال یہ دین کا مسئلہ ہے۔ چونکہ صحابہؓ میں اس معاملے میں اختلاف ہے اس لیے میں مجبوراً پوچھ رہا ہوں۔

مَا کُنْتَ سَائِلًا عَنْهُ اُمَّکَ فَسَلْنِیْ عَنْهُ: مطلب یہ ہے کہ بہرحال میرا درجہ ماں کا ہے مجھ سے جو پوچھنا ضروری ہو پوچھو؟

لَا اَسْاَلُ عَنْ هٰذَا اَحَدًا بَعْدَکِ اَبَدًا: مطلب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں آپ اتھارٹی ہیں۔ آپ نے اگر بیان کر دیا ہے تو اب ٹھیک ہے۔ اب مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ وَ حَدَّثَنِی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ کَعْبٍ مَوْلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّ مَحْمُوْدَ بْنَ لَبِیْدٍ الْاَنْصَارِیَّ سَاَلَ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الرَّجُلِ یُصِیْبُ اَهْلَهٗ ثُمَّ یُکْسِلُ وَلَا یُنْزِلُ؟ فَقَالَ زَیْدٌ: "یَغْتَسِلُ. فَقَالَ مَحْمُوْدٌ: "اِنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ کَانَ لَا یَرَی الْغُسْلَ. فَقَالَ لَهٗ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ: اِنَّ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ نَزَعَ عَنْ ذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ.

ترجمہ:۔ عبداللہ بن کعب ــــ مولی عثمان بن عفانؓ ــــ سے روایت ہے کہ محمود بن لبید انصاری نے حضرت زید بن ثابتؓ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا۔ جو اپنے اہل سے ملے پھر سست پڑ جائے اور انزال نہ ہو تو حضرت زیدؓ نے کہا کہ وہ غسل کرے۔ اس پر محمود نے کہا کہ ابی بن کعبؓ کی رائے تو غسل کی نہیں ہے۔ تو حضرت زید بن ثابتؓ نے ان سے یہ کہا کہ ابی بن کعب نے اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا تھا مرنے سے پہلے۔

**وضاحت:**۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں لوگوں میں واضح اختلاف موجود تھا۔ حضرت زید نے واضح کیا کہ ابی بن کعب کی پہلے یہی رائے تھی کہ غسل ضروری نہیں ہے لیکن وفات سے پہلے انہوں نے رائے بدل لی تھی۔

۵۔ وَ حَدَّثَنِی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یَقُوْلُ: اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ترجمہ:۔ نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جب دخول کامل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

**وضاحت:**۔ اس روایت کا مطلب واضح ہے۔ سابق روایتوں میں التقی کے لفظ سے جو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ وہ یہاں 'جاوز' کے لفظ سے دور ہو جاتی ہے۔

## (۱۹) باب وضوء الجنب اذا اراد ان ینام او یطعم قبل ان یغتسل

## باب: جنبی کا وضو جبکہ وہ غسل سے پہلے سونا چاہے یا کھانا کھانا چاہے

۱۔ حَدَّثَنِی یَحْیَی عَنْ مَالِکٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ: ذَکَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ یُصِیْبُهٗ جَنَابَةٌ" مِنَ اللَّیْلِ. فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَکَرَکَ ثُمَّ نَمْ.



ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ رات کو ان کو جنابت کی حالت پیش آ جاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کر لو، اپنے عضو کو دھو لو پھر سو رہو!

۲۔ وحدثنی عن مالک عن هشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشة زوج النبی ﷺ انها کانت تقول: اذا اصاب احدکم المرأة ثم اراد ان ینام قبل ان یغتسل فلا ینم. حتی یتوضأ وضوءه للصلاة.

ترجمہ:۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے اہل سے ملاقات کر کے سونا چاہے قبل اس کے کہ غسل کرے تو وہ نہ سوئے جب تک کہ وضو نہ کر لے، وہ وضو کہ جو نماز کا ہوتا ہے۔

**وضاحت:**۔ اس باب کی روایات بھی دیکھیے آدمی کو مہذب اور شائستہ بنانے کے لیے آئی ہیں۔ یعنی اپنے اہل سے ملاقات شب کے بعد کچھ اہتمام ضروری ہے۔ یعنی یونہی اٹھا تھیل پڑ کے نہیں سو رہنا چاہیے۔ سونے سے پہلے جو احتیاط ہونی چاہیے دین نے اس کی باقاعدہ تعلیم دے دی ہے کہ آلودگی دھو کر وضو کر لیا جائے۔ اس کے بعد آدمی سو جائے۔

یہ تمام اہتمام جو ان روایات میں بیان ہوا ہے یا اگلی روایات میں بیان ہو رہا ہے ایک مہذب، شائستہ اور صاف ستھرے معاشرے کے افراد کے لیے ہر صورت ضروری ہے۔

۳۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ اَوْ یَطْعَمَ وَهُوَ جُنُبٌ" غَسَلَ وَجْهَهٗ وَیَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ وَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ طَعِمَ اَوْ نَامَ.

ترجمہ:۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب حالت جنابت میں سونا چاہتے یا کھانا کھانا چاہتے تو اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیتے اور اپنے سر کا مسح کر لیتے۔ اس کے بعد کھانا کھاتے یا سوتے۔

**وضاحت:**۔ اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل کو بیان کرتے ہوئے سونے کے علاوہ راوی نے کھانا کھانے کا اضافہ کر دیا ہے جو نبی ﷺ یا حضرت عائشہؓ کی روایات میں شامل نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ اضافہ محل نظر ہے۔

## (۲۰) باب اعادة الجنب الصلاة و غسله اذا صلی و لم یذکر

## باب: جنبی کے نماز کا اعادہ کرنے اور اس کے غسل کا بیان جبکہ وہ نماز پڑھے اور اس کو یاد نہ ہو اور اس کا اپنے کپڑے کو دھونا

۱۔ وَ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ اَبِي حَكِيمٍ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَبَّرَ فِي صَلَاةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ ثُمَّ اَشَارَ اِلَيْهِمْ بِيَدِهِ اِنِ امْكُثُوا. فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ وَ عَلَى جِلْدِهِ اَثَرُ الْمَاءِ.

ترجمہ:۔ اسماعیل بن حکیم کہتے ہیں کہ عطاء بن یسار نے ان کو یہ خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں سے کسی نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر لوگوں کو اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ٹھہرو! آپ چلے گئے۔ جب آپ لوٹے تو آپ کے بدن پر پانی کا اثر تھا۔

وضاحت:۔ وَ عَلَى جِلْدِهِ اَثَرُ الْمَاءِ. مطلب یہ ہے کہ آپ غسل کر کے آئے۔

معلوم ہوا کہ آپ کو غسل کی حاجت تھی لیکن یاد نہیں رہا تو آپ مصلے پر کھڑے ہو گئے۔ جونہی آپ کو یاد آیا آپ نے نمازیوں کو توقف کرنے کی ہدایت فرمائی اور خود گھر جا کر غسل کیا۔

۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الصَّلْتِ اَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلَى الْجُرُفِ فَنَظَرَ فَاِذَا هُوَ قَدِ احْتَلَمَ وَ صَلّٰى وَلَمْ يَغْتَسِلْ. فَقَالَ: وَاللّٰهِ! مَا اَرَانِي اِلَّا احْتَلَمْتُ وَمَا شَعَرْتُ وَ صَلَّيْتُ وَمَا اغْتَسَلْتُ قَالَ: فَاغْتَسَلَ وَ غَسَلَ مَا رَاٰى فِي ثَوْبِهِ وَ نَضَحَ مَالَمْ يَرَ وَ اَذَّنَ اَوْ اَقَامَ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ارْتِفَاعِ الضُّحٰى مُتَمَكِّنًا.

ترجمہ:۔ زبید بن صلت کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ جرف کی طرف گیا۔ وہاں انہوں نے دیکھا تو ان کو شبہ ہوا کہ مجھے احتلام ہوا ہے اور نماز پڑھ لی ہوئی تھی اور غسل نہیں کیا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ بخدا! میرا خیال یہ ہے کہ غسل کی ضرورت تھی اور مجھے احساس نہیں ہوا۔ میں نے نماز پڑھ لی اور غسل نہیں کیا۔ زبید کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے غسل کیا اور جو کچھ ان کو اپنے کپڑے میں نظر آیا اس کو دھویا، اور جو نظر نہیں آیا اس پر پانی چھڑک دیا۔ پھر اذان دی یا اقامت کہی، پھر نماز پڑھی جبکہ دن پورے طریقہ سے نمایاں ہو کر متمکن ہو گیا تھا۔

وضاحت:۔ الْجُرُف: یہ ایک مقام ہے۔ جہاں حضرت عمرؓ کا رقبہ تھا۔



نضح: اس کے معنی دھونے کے تو ہیں ہی۔ یہاں پانی چھڑکنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔

و نضح مالم یر: مطلب یہ ہے کہ دیکھا نہیں لیکن رفع شک کے لیے ممکنہ حصے پر پانی چھڑک دیا۔

یہی مذہب شوافع کا بھی ہے اور بعض حالات میں حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر ہم لوگ تو ایسا نہیں کرتے۔ ہمارا معمول اصلاح طلب ہے۔

و اذن او اقام: انہوں نے اذان دی یا اقامت کہی۔ یہ تو گویا قضا نماز کی جگہ پڑھی۔ انہوں نے اکیلے ہی اذان دی یا اقامت کہی پھر نماز ادا کی۔ بظاہر اذان کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ انہوں نے اقامت کہی ہوگی۔ راوی کو اذان کا اشتباہ ہوا ہے اس کے بعد انہوں نے نماز لوٹائی۔

حضرت عمرؓ نے جس نماز کی قضا ادا کی یہ انہوں نے مدینہ میں پڑھی ہی نہیں تھی بلکہ پڑھائی تھی۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تھی ان کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے۔ یہاں تو اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے مدینہ کے لوگوں کو اطلاع کرائی ہو کہ میں آج یہ کچھ کر کے آیا ہوں، اب آپ لوگ بھی اپنی نماز دہرائیں۔ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ وہ لوگ بھی اپنی نماز دہرائیں گے۔ میرے نزدیک اس معاملے میں شوافع اور مالکیہ کا مذہب ٹھیک ہے کہ ان کی نماز علیٰ نیا تھم (ان کی نیت پر) ہوگی۔ اب اگر عوام میں سے کسی کو معلوم ہو گیا کہ امام سے غلطی یا بھول ہوئی ہے تو وہ اپنے تئیں اپنی نماز دہرائے گا۔ لیکن اس امر کی منادی نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے عمل سے یہی بات نکلتی ہے۔

۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ اَبِي حَكِيمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ غَدَا اِلَى اَرْضِهِ بِالْجُرُفِ فَوَجَدَ فِي ثَوْبِهِ احْتِلَامًا. فَقَالَ: لَقَدِ ابْتُلِيتُ بِالاحْتِلَامِ مُنْذُ وُلِّيتُ اَمْرَ النَّاسِ. فَاغْتَسَلَ وَ غَسَلَ مَا رَاٰى فِي ثَوْبِهِ مِنَ الاحْتِلَامِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ اَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ.

ترجمہ:۔ سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جرف میں اپنے رقبے پر گئے تو انہوں نے اپنے کپڑے میں احتلام کا اثر محسوس کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں جب سے مسلمانوں کا خلیفہ بنا ہوں اس چیز میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ تو انہوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑوں میں ان کو احتلام کے جو نشان نظر آئے ان کو بھی دھویا۔ پھر انہوں نے سورج کے طلوع ہونے کے بعد نماز پڑھی۔

وضاحت:۔ لَقَدِ ابْتُلِيتُ بِالاحْتِلَامِ مُنْذُ وُلِّيتُ اَمْرَ النَّاسِ. یہ بات حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ اس

کے فلسفے کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب ان کو تو رات دن اپنے فرائض منصبی کی فکر رہتی تھی۔ شدت احساس کے غلبے کے تحت زندگی میں بے نظمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کھانے میں، پینے میں، سونے میں، غرض ہر معمول میں اس کا اثر تو پڑتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کا برملا اظہار فرما دیا۔

۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّى بِالنَّاسِ الصُّبْحَ. ثُمَّ غَدَا إِلَى أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ. فَوَجَدَ فِي ثَوْبِهِ احْتِلَامًا. فَقَالَ: إِنَّا لَمَّا أَصَبْنَا الْوَدَكَ لَانَتِ الْعُرُوقُ. فَاغْتَسَلَ وَ غَسَلَ الاحتلام من ثوبه وعاد لصلاته.

ترجمہ:۔ سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر وہ اپنے رقبے کی طرف جُرف میں گئے تو وہاں انہوں نے اپنے کپڑے میں احتلام کا اثر محسوس کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ جب ہم روغن کھا لیتے ہیں تو اعصاب نرم پڑ ہو جاتے ہیں۔ تو انہوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے میں سے احتلام کا اثر دھویا اور اپنی نماز دہرائی۔

**وضاحت**:۔ اوپر والی روایت کے برعکس یہاں إِنَّا لَمَّا أَصَبْنَا الْوَدَكَ لَانَتِ الْعُرُوقُ. کا فقرہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی میں تو یہ کبھی رہا نہیں ہے کہ بڑے مرغن کھانے کھاتے رہے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ بارِ خلافت کے بعد ان کی زندگی اور بھی متشددانہ ہو گئی تھی۔ تو پھر اس فقرے کا کیا مطلب ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ راوی کی سمجھ میں یہ بات آئی نہیں۔ یہ اتفاقی بات ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اس رات کھانا کھایا ہو اور اس کھانے میں زیادہ چربی رہی ہو کہ جس کا یہ اثر پڑ سکتا ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ اب اعصاب کمزور ہو گئے ہیں۔ اب اگر ہم اس طرح کی چیز کھاتے ہیں تو اس کا اثر یہ پڑتا ہے۔ میرے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے۔ یہی چیز ان کی زندگی سے مطابقت رکھتی ہے اس لیے کہ مرغن کھانے کھانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان کی احتیاط سے متعلق واقعات کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ کسی کے ہاں انہوں نے پانی مانگا اور جب انہوں نے شہد پیش کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں! میں اپنے حساب میں اس کو نہیں لکھوانا چاہتا! یہ واقعہ ہے کہ ان کی اپنی زندگی کے معاملے میں ان کا جو تشدد تھا وہ خاص طریقے سے اس طرح کے معاملات میں تو بہت ہی زیادہ تھا۔

۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ حَاطِبٍ أَنَّهُ اعْتَمَرَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ. وَ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ



الْخَطَّابِ عَرَّسَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ قَرِيبًا مِنْ بَعْضِ الْمِيَاهِ. فَاحْتَلَمَ عُمَرُ وَقَدْ كَادَ أَنْ يُصْبِحَ فَلَمْ يَجِدْ مَعَ الرَّكْبِ مَاءً. فَرَكِبَ حَتَّى جَاءَ الْمَاءَ. فَجَعَلَ يَغْسِلُ مَا رَأَى مِنْ ذَلِكَ الاحْتِلَامِ حَتَّى أَسْفَرَ. فَقَالَ لَهُ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: أَصْبَحْتَ وَمَعَنَا ثِيَابٌ فَدَعْ ثَوْبَكَ يُغْسَلُ. فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَاعَجَبًا لَكَ يَا عَمْرُو بْنَ الْعَاصِ! لَئِنْ كُنْتَ تَجِدُ ثِيَابًا أَفَكُلُّ النَّاسِ يَجِدُ ثِيَابًا؟ وَاللهِ! لَوْ فَعَلْتُهَا لَكَانَتْ سُنَّةً. بَلْ أَغْسِلُ مَا رَأَيْتُ وَ أَنْضِحُ مَا لَمْ أَرَ.

ترجمہ:۔ یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ ایک قافلے میں، جس میں حضرت عمرو بن العاصؓ بھی تھے عمرہ کیا۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ راستے میں ایک جگہ رات بسر کرنے کے لیے بعض چشموں کے قریب اترے تو وہاں ان کو حالت احتلام پیش آ گئی۔ صبح ہونے کو تھی لیکن قافلے والوں کے ساتھ پانی نہیں تھا۔ تو وہ سوار ہوئے یہاں تک کہ چشمے پر آئے۔ وہاں انہوں نے احتلام کا جو اثر دیکھا تو اس کو دھونے لگے یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھیلنے لگی۔

حضرت عمرو بن العاص نے ان سے کہا کہ صبح ہو رہی ہے، ہمارے ساتھ کپڑے موجود ہیں۔ آپ اسے چھوڑ دیجیے، کپڑا دھو دیا جائے گا تو حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا کہ تعجب ہے! عمرو بن العاص! اگر تمہارے پاس کپڑے موجود ہیں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ سب لوگوں کے پاس کپڑے موجود ہوں گے؟ خدا کی قسم! اگر میں ایسا کروں گا تو سنت بن جائے گا۔ بلکہ میں تو دھوؤں گا جو کچھ دیکھوں گا اور اس پر پانی چھڑک دوں گا جو نظر نہ آئے گا۔

**وضاحت**: أَسْفَرَ: اسفار یعنی فجر کے وقت کا ختم ہونے کے قریب ہونا۔

اس روایت سے حضرت عمر فاروق کی اصل زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ میرے نزدیک ان کی شخصیت کے مطالعہ کے لیے موطا امام مالک بہترین دستاویز ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کی الفاروق میں بے شک فاتح ایران وعراق وشام ومصر وغیرہ کی شان اور ان کی اعلیٰ ترین مدبرانہ انتظامی قیادت کا شکوہ نمایاں ہے تاہم ان کی خاص ذاتی زندگی، معمولات اور سیرت پر کماحقہ بحث نہیں کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موطا امام مالک کے مطالعہ کا حق انہوں نے ادا نہیں کیا ہے۔ موطا پڑھے بغیر سوانح وسیرت فاروقی کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے!۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ بھی ایک لیڈر تھے۔ حضرت عمرؓ خلیفہ تھے لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ بھی ایک اہم حیثیت کے حامل تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین کے پاس ایک ہی جوڑا ہوتا جوان کے زیب تن ہوتا۔ اللہ اکبر! یہ ایران و عراق اور شام و مصر وغیرہ کا فاتح تھا!

لکانت سُنَّۃً: تو سنت بن جائے گا۔ یعنی یہ چیز سنت بنے گی کہ اتنے کپڑے ہونے چاہئیں۔ یہاں حضرت عمرؓ کا اشارہ غالباً اس مشہور حدیث کی طرف تھا:

فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (سنن الترمذی کتاب العلم۔ باب ۱۶)

پس میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کا التزام کرو۔

## امام مالک کا فتویٰ:

امام مالک نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جو اپنے کپڑے میں کچھ اثر احتلام محسوس کرتا ہے لیکن کب کوئی بات ہوئی اور اس نے اپنے خواب میں کیا کچھ دیکھا اسے کچھ یاد نہیں پڑتا۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنی تازہ ترین نیند سے لے کر وقت کے حساب سے نہائے۔ پس اگر اس نیند کے بعد نماز پڑھ لی ہو تو اس نیند کے بعد کی نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ آدمی بسا اوقات احتلام میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن کوئی خواب نہیں دیکھا ہوتا ہے اور بسا اوقات خواب دیکھتا ہے درآنحالیکہ احتلام نہیں ہوتا۔ تو جب وہ اپنے کپڑے میں کچھ محسوس کرے تب اس کے اوپر غسل کرے۔ اور یہ کہ حضرت عمرؓ نے وہی نماز دہرائی جو انہوں نے آخری نیند کے بعد پڑھی تھی اور اس سے پہلے کا کچھ بھی حساب نہیں رکھا۔

وضاحت:۔ دیکھیے یہ لوگ ہیں کہ جن کی ایک ایک چیز سے دین بنتا ہے، نظام بنتا ہے اور تہذیب قائم ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ آخری نیند سے حساب ہوگا۔ اس سے قبل کا حساب بے باق سمجھا جائے گا۔ اس سے پہلے کے وقت کے بارے میں تردد کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(ترتیب: ماجد ذور)

❀❀❀❀❀





مولانا امین احسن اصلاحی

# مسلمان اقوام میں پستی کیوں؟

سوال: آیت اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ آج مسلمان اقوام ہی کے حصہ میں غربت اور پستی کیوں آئی ہے؟

جواب: آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ 'اللہ رزق کو کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے'۔

اس کی حکمت یہ بتائی ہے کہ کسی کو بھی یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا رزق اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کے حصول پر بغیر کسی مزاحمت کے قادر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے تحت انسان کو ملتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سعی اور تدبیر آپ نہ کریں۔ سعی اور تدبیر تو بہر حال آپ کریں گے اس لیے کہ اسی میں آپ کا امتحان ہے کہ آپ نے حلال راستہ اختیار کیا یا حرام، لیکن ملتا جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر کسی کو زیادہ دیا ہے تو یہ وجہ نہیں ہوتی کہ وہ بڑا اہل ہے، اس کو دے دینا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ آزماتا ہے کہ یہ شکر گزار بندہ بنتا ہے یا ناشکرا۔ اسی طریقہ سے اگر اللہ تعالیٰ کسی کا رزق تنگ کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس کے پاس کوئی کمی ہوگئی ہے یا اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت میں پھنسانا پسند کرتا ہے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ رزق کی کمی کے باوجود میرا بندہ صبر کرنے والا ہے یا نہیں۔ ایک صورت میں صبر کا امتحان ہوتا ہے اور دوسری میں شکر کا۔

اس زمانے میں دنیا میں جن قوموں کو دنیا ملی ہے تو واقعہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو کمانے کا حق بھی ادا کیا ہے۔ آپ کی طرح سوتے نہیں رہے۔ زندگی کے ضابطے جتنے بھی ہیں، اجتماعی زندگی کے ہوں یا انفرادی زندگی کے، سب ضابطے فطرت کے مطابق ہیں اور وہ آپ پر عبادت کی طرح واجب ہیں۔ اگر ان ضابطوں کو آپ ترک کر دیں گے تو اس کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا۔ اس دنیا میں مسلمان ایک عرصہ دراز تک دنیا پر اسی طریقہ سے حاوی رہے ہیں جس طریقہ سے کہ آج یورپ اور امریکہ کی قومیں حاوی ہیں۔ مسلمانوں کی تہذیب کی تقلید کی جاتی تھی۔ ان کے فیشن کی نقل کی جاتی تھی۔ اس وقت یہ بات تھی کہ وہ صلاحیتیں جو اجتماعی زندگی کی ہیں وہ زندہ تھیں، سائنس میں بھی اور ایجادات میں بھی۔ جب آپ ان چیزوں کو چھوڑ کر دوسرے تصورات میں زندگی گزاریں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی اجتماعی زندگی کے اندر

خلا رہے گا جس کے برے نتائج سے آپ بچ نہیں سکتے۔

موجودہ دور میں کافر و مشرک قوموں کی حکمرانی ہے۔ واقعہ یہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ملت کی جو شان ہے اس شان میں وہ کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اگر کہیں ہے تو وہ بھی حقیقت میں ان ہی کے زیر سایہ محتاج ہیں اور وہ دعوت بھی دیتے ہیں کہ آپ آیئے تو ہم آپ کی خدمت کرنے کے لیے جوتیاں سیدھی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ملاحدہ آپ کو جو طعنہ دیتے ہیں، اس لیے کہ قرآن کی لاج آپ نے نہیں رکھی تب طعنہ سننا ہی پڑے گا۔ لیکن اگر آپ لاج رکھنا چاہتے ہیں تو جماعتی حیثیت سے اور انفرادی حیثیت سے، دونوں حیثیتوں سے مسلم بنئے۔ انفرادی حیثیت سے جو مسلم بنیں گے وہی اجتماعی حیثیت سے مسلم بن سکتے ہیں اور اگر انفرادی حیثیت سے آپ تیار نہ ہوئے تو آپ کی کوئی جماعت مسلمہ نہیں بن سکتی۔ جب ملت مسلمہ بن جائے گی تب چیلنج وہ کر سکتی ہے، سب سے وہ پنجہ آزمائی کر سکتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ مسلم ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی ٹھیک ہے۔

آپ اپنے ہی ملک کو دیکھ لیجئے کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ لوگ حکومت میں حصہ داری کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ حقوق ہوں، چھوٹے یا بڑے، بس ملتے رہیں۔ باقی رہ گیا کہ ذمہ داریاں کیا ہیں تو یہ لیڈر لوگوں کو بھی نہیں معلوم کہ حکومت کی ذمہ داری کیا ہوتی ہے۔ حکومت کی ذمہ داریوں کو سمجھے بغیر آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھی عزت حاصل ہو تو عزت افراد کو نہیں حاصل ہوتی، عزت تو اجتماعی زندگی کو حاصل ہوتی ہے۔ افراد کو عزت تو اتنی ہی حاصل ہوتی ہے کہ ''مولانا صاحب ہیں، ان کو قرآن آتا ہے'' اس سے زیادہ آپ کیا چاہتے ہو۔

قومی حیثیت سے جو سرفرازی ہوتی ہے اس کے لیے نیشنل کیریکٹر پیدا کرنا پڑتا ہے۔ نیشنل کیریکٹر کے جو اجزا ہیں وہ دین کے اجزا ہیں اور عبادت ہی کی طرح آپ پر واجب ہیں۔ جس طریقے سے آپ پر واجب ہے کہ آپ مسجد میں جا کر نماز پڑھیں اور دین کے جو دوسرے کام ہیں وہ کریں اسی طریقہ سے اجتماعی زندگی کے فرائض میں سے ہے کہ آپ جس ڈیوٹی پر ہیں اس کو اسی ایمان داری کے ساتھ انجام دیں جس کی وہ متقاضی ہے۔ جس محاذ پر آپ کھڑے کیے گئے ہیں اس کا حق ادا کریں۔ جو امانت آپ کے سپرد کی گئی ہے، آپ کے بیوی بچے فاقہ کریں لیکن آپ اس امانت میں خیانت نہ کریں۔ جو مقدمہ بھی آپ کے ہاں آیا ہے اگر اس میں آپ کے کسی عزیز کے لیے بھی بڑے سے بڑا خطرہ ہے لیکن عدل کا جو تقاضا ہے وہ آپ پورا کریں۔ جس منصب پر آپ ہیں تو اس کے جتنے فرائض ہیں اس میں آپ کی نگاہ ایک اور سوچنے کا انداز ایک ہو۔ یہ اجتماعی زندگی ہوگی تو آپ کو قومی عزت حاصل ہوگی۔ اس وقت



تک یہی ڈرتے رہیے کہ جو کچھ آپ کو حاصل ہے کہیں یہ بھی نہ چھن جائے، برابر ڈرتے رہیے۔ میں ہر روز دعا کرتا ہوں کہ اے رب، اس ملک کی کشتی کو تو بچا کر نکال، اس کے لیڈروں کو عقل سلیم دے اور اس کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر۔ اپنی صلاحیتوں سے میں واقف ہوں اور اس کے مطابق میں خدمت کر رہا ہوں، آپ میری صلاحیتوں سے اتنے واقف نہیں جتنا میں خود واقف ہوں۔

## اقامت دین کا مفہوم:

سوال: ایک صاحب جو محقق اور علامہ مشہور ہیں اقامت دین کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ دین پر خود عمل پیرا ہو جاؤ بس یہی اقامت دین ہے۔ آپ کے نزدیک کیا اقامت دین کا یہی مفہوم ہے؟

جواب: یہ تو محقق اور علامہ لوگوں کی رائے ہے۔ آپ نے سوال غلط جگہ پر کیا، میں نہ محقق نہ علامہ۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ عربی زبان کے لحاظ سے اگر اقیموا الصلوۃ کہیں تو اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ نماز کا اہتمام کرو۔ نماز کے اہتمام میں نماز پڑھنا بھی ہے، نماز پڑھانا بھی ہے اور اگر توفیق ہو تو مسجد بنانا بھی ہے۔ لوٹے، پانی کا انتظام بھی کرنا ہوگا، محلے والوں کو جگانا، بلانا بھی ہے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے تو وہ صرف آدمی کی ذات تک تو محدود نہیں۔ اس کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے۔ بہر حال نیکی کا مشورہ اور انکار منکر ہر شہری کا فرض ہے اس سے آپ بچ نہیں سکتے۔ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق عمل کرے۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا توفیق یافتہ بندہ ہے جو جانتا ہے کہ میرے اندر کس کام کی صلاحیت ہے اور کس کام کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ جاننا چاہیے کہ آپ میں کیا صلاحیت ہے۔ اگر آپ لوگوں کو چند آیتوں کا مطلب سمجھا سکتے ہوں، چند احادیث سمجھا سکتے ہوں یا کوئی مضمون لکھ کر اپنی بات واضح کر سکتے ہوں یا کسی کو مشورہ دے سکتے ہوں تو اپنے حدود کے اندر رہتے ہوئے یہ کام کیجئے۔

معاشرہ سے متعلق ہمارے اوپر ذمہ داری ہے۔ اپنے بیوی بچوں سے متعلق ذمہ داری ہے، پڑوسی سے متعلق ذمہ داری ہے۔ اقربا اور گاؤں سے متعلق ذمہ داری ہے اور پوری قوم سے متعلق ذمہ داری ہے۔ ایک فرد جو معاشرہ میں رہتا ہے وہ خاندان کا ایک رکن ہوتا ہے، ایک پڑوس کا پڑوسی ہوتا ہے، ملک کا شہری ہوتا ہے اور ہر ایک کے اپنی صلاحیت کے مطابق فرائض ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ اگر آپ دیکھیں کہ لوگ برائی کر رہے ہیں اور زبان نہ کھولیں کہ پرانے جھگڑے میں کیوں ٹانگ اڑاؤں تو نتیجہ میں جو برائی پھیلے گی معلوم نہیں اس کے جراثیم کہاں تک پھیل جائیں۔ اس لیے حکم یہ ہے کہ

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ و ان لم یستطع فبلسانہ و ان لم یستطع فبقلبہ و لیس وراء ذالک حبۃ خردل من الایمان ۔تم میں سے جوکوئی بھی برائی دیکھے اور صاحب اختیار ہے تو اس برائی کو ہاتھ سے روکے اور اگر یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے، ہم ناتواں ہیں، تو چاہیے کہ نصیحت کریں اور منع کریں کہ یہ نہ کرو اور اگر یہ بھی آپ نہیں کر سکتے تو ادنیٰ درجہ ایمان کا یہ ہے کہ دل میں اس کو برا جانیں اور اس سے الگ رہیں اس میں شریک نہ ہوں۔ اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ اس کی تمثیل آنحضرت ﷺ نے یوں بتائی ہے کہ جیسے ایک کشتی ہے، اوپر کے حصہ میں کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں اور نیچے کے حصہ میں بھی کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں۔ اب اگر نیچے والے یہ سوچ کر کہ ہمیں پانی لینے کے لیے ہمیشہ اوپر جانا پڑتا ہے کیوں نہ ہم کشتی کے پیندے میں سوراخ کر لیں کہ ہمیں نیچے سے پانی لے لیں اور اوپر والے پرایا جھگڑا سمجھ کر ان کو منع نہ کریں تو جب کشتی ڈوبے گی تو سب کو لے کر ڈوبے گی، اوپر والوں کو بھی اور نیچے والوں کو بھی۔ لہٰذا آپ اپنی ذات کی حفاظت کرتے ہوئے اگر معاشرہ کی ذمہ داریوں سے کٹ جائیں گے تو پیڑے کے ساتھ آپ بھی غرق ہو جائیں گے۔

**سوال:** درود کے متعلق سوال ہے۔ بعض لوگوں نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ صحابہؓ درود نہیں پڑھتے تھے یہ بعد کی چیز اور بعد کی ایجاد ہے۔

**جواب:** میرے علم میں یہ بات نہیں ہے اس لیے میں اس بنیاد پر تو کچھ نہیں کہہ سکتا کہ لوگوں نے کیا لکھا ہے اور کس بنیاد پر لکھا ہے۔

رہا درود شریف جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ احزاب کی آیت، ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ میں ہے اور جس مقام پر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف نفاق کو دور کرنے والی چیز ہے۔ نظم قرآن کے لحاظ سے وہاں یہ بات نکلتی ہے کہ نبی ﷺ کے خلاف جو لوگ سوئے ظن میں مبتلا ہوتے ہیں ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا منافقین کو بالخصوص اور مومنین کو بالعموم یہ ہدایت دی کہ وہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے رہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد ہمارے اوپر سب سے بڑا حق نبی ﷺ کا ہے۔ وہ ہدایت کا ذریعہ اور ان کا عمل اسوہ حسنہ ہے۔ انہوں نے ہمارے لیے دکھ جھیل کر خلق کے سامنے حق کی شہادت دی ہے۔

نماز میں درود جس موقع پر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی اعلیٰ محل ہے۔ دو یا چار رکعات نماز پڑھنے کے بعد التحیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کو سلامی دی جاتی ہے اس کے بعد نبی ﷺ پر رحمت کی دعا کی



جاتی ہے۔ اس کے بعد والدین کا حق ہے، ان کے لیے، دوسرے اہل ایمان کے لیے اور اپنے لیے دعا کی جاتی ہے۔ نماز میں نبی ﷺ کا حق ادا ہونا، ماں باپ کا حق ادا ہونا اور امت کا حق ادا ہونا بہت عقلی اور فطری چیز ہے۔

درود کے معاملہ میں روایات مختلف ہیں۔ اول تو روایات جتنی بھی ہیں، میری نظر میں سب ثقہ اور بڑے لوگوں سے ہیں۔ اگر ان کے ہاں الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہوتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ وہ سب ایسے لوگ ہیں کہ اگر روایت بالمعنی بھی کریں تب بھی حقیقت نہیں بدلتی کیونکہ وہ دین کے مفہوم کو سمجھنے والے لوگ ہیں، عام لوگ نہیں ہیں۔

## طویل عمر کے تقاضے:

**سوال:** ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق افلا یعقلون۔ کا مفہوم کیا ہے؟

**جواب:** اس آیت کا ترجمہ ہوگا 'اور جس کو ہم عمر زیادہ دیتے ہیں، ہم اس کو خلقت میں پیچھے لوٹا دیتے ہیں تو کیا وہ سمجھتے نہیں۔ نعمر کے معنی ہوں گے عمر طویل دینے کے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں اس کو جسمانی طور پر ضعف بھی دیتے ہیں۔ آدمی کی عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے، وہ بوڑھا ہوتا جاتا ہے تو اتنا ہی قویٰ میں، صلاحیتوں میں، طاقتوں میں کمی آتی جاتی ہے۔ اب دیکھیے میری نگاہ کمزور ہوگئی ہے، میرے کان کی صلاحیت بھی کم ہوگئی ہے، اٹھتے بیٹھتے جسم کا توازن قائم رکھنے کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جو آدمی کہ ساڑھے تین گھنٹے بیک وقت جم کر لکھتا رہا ہو اس کا حال اب یہ ہے کہ ایک گھنٹہ مطالعہ کے بعد تھک جاتا ہے۔ یہ عمر کے طول کا تقاضہ ہے۔ طول عمر کے ساتھ کمزوری بڑھتی جاتی ہے لیکن اس کی بھی برکات ہیں۔ اس کے فوائد الگ ہیں۔ اس عمر میں جو کچھ کرنا چاہیے وہ کیجیے تب کوئی افسوس، کوئی غم نہیں ہو گا۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اب یہ دلیل کس چیز کی ہے؟ دلیل یہ بے شمار چیزوں کی ہے۔ دلیل یہ اس بات کی ہے کہ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں، ہماری اپنی نہیں ہیں۔ اللہ نے جب تک چاہا ہے ان کو باقی رکھا ہے، جب تک چاہے گا ان کو باقی رکھے گا اور اس کے بعد جب چاہے گا واپس لے لے گا۔ ہر عروج کے بعد زوال بھی ہے۔

## تلاوت قرآن کا معمول:

**سوال:** قرآن پاک کی تلاوت میں آپ کا معمول کیا ہے؟ ہمیں اس کے لیے کون سا طریقہ اپنانا

چاہیے؟

جواب: آپ میں سے ہر شخص کو قرآن مجید کی تلاوت برابر کرتے رہنا چاہیے۔ اگر نہیں کرتے رہیں گے تو جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن مجید بدکنے والے اونٹوں سے بھی زیادہ بدکنے والا ہے۔ مجھے خود اس کا تجربہ ہوا ہے۔ جس زمانے میں قرآن پر غور و فکر کرتے اور لکھتے تھے تو تین مرتبہ تلاوت کا وقت نکالتے تھے۔ ایک وقت تلاوت کرتے تھے اس سورہ کی جس پر لکھتے تھے، دوسرے وقت میں تلاوت کرتے تھے، گروپ کی سورتوں کی تاکہ گروپ کے اندر سورہ کا صحیح مقام متعین ہو سکے، تیسرے وقت میں پورے قرآن کی تلاوت کرتے تھے، نظائر اور اسالیب زبان تلاش کرنے کے لیے، تب لکھتے تھے۔ اب یہ ہے کہ درس دے کر یہ گمان کرنے لگے کہ اب اور کیا چاہیے درس تو دے رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ادھر عرصہ سے میری تلاوت چھوٹ گئی۔ ایک دن جو میں نے سعودی حکومت کا قرآن مجید کھولا اور چاہا کہ اس کو دیکھوں کہ یہ کیسا ہے، تو تلاوت کرنے پر معلوم ہوا کہ مجھے جگہ جگہ سوالات پیدا ہو رہے ہیں، تب میں نے کہا کہ یہ بات تو بڑی خطرناک ہے۔ میں نے اس کو بہانہ بنالیا۔ روزانہ تلاوت کے لیے خاص وقت نکال لیا اور پورے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی۔ تو یہ گمان نہ کیجئے کہ بس درس دینے لگے تو فارغ ہو گئے۔ برابر تلاوت کرتے رہیے۔ جب سوال پیدا ہونے لگیں تو سمجھیے کہ اب آپ کو قرآن کا خبط چڑھا ہے۔ سوال پر آپ غور کریں گے تب اس میں آپ کو فتح باب ہوگا اور ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ایک ملک فتح کیا ہے۔ اس میں جو کامیابی اور خوشی ہوگی اس سے بڑی کوئی خوشی نہیں۔

بہر حال میں نے اپنا ایک تجربہ بیان کر دیا ہے۔ اس کی روشنی میں آپ کو یہی وصیت کر سکتا ہوں کہ برابر تلاوت کرتے رہیے اور اس میں کوئی تساہل نہ برتیے۔

## تقلید امت میں تفرقہ کا باعث ہے:

سوال: آپ تقلید کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ ہر شخص دین کی باتوں میں اپنی عقل و فہم سے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کیا جزئیات دین کا علم بھی ہر شخص کے بس میں ہے اور کیا یہاں بھی اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں کی بات کو عقل پر پرکھنا ضروری ہے؟

جواب: تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ ہو کہ امام ابوحنیفہ میرے امام ہیں، میں ان کی بات مانوں گا یا امام شافعی میرے امام ہیں میں ان کی بات مانوں گا۔ ان کے سوا کسی کی بات نہیں مانوں گا۔ جو آدمی کہ دین نہیں جانتا اس کے لیے اسلام نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ اپنے پاس پڑوس میں، اپنے قرب میں، جس عالم



ے متعلق اس کو یہ خیال ہے کہ عالم باعمل ہے، پرہیزگار ہے تو ایسے آدمی سے دین کی بات پوچھنی چاہیے اس سے بحث نہیں کہ وہ عالم حنفی ہے، شافعی ہے وغیرہ۔ آپ کو دین کی بات معلوم کرنی ہے تو اس حسن ظن ے ساتھ معلوم کیجئے۔

اماموں کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے درمیان کفر و اسلام کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ان ے کچھ اصول ہیں کہ جن اصولوں کے ساتھ وہ اجتہاد کرتے ہیں۔ ان اصولوں کو سب لوگ مانتے ہیں اور اسلام میں ان کی گنجائش ہے۔ عالم آدمی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ براہ راست کتاب و سنت سے دین کی ات معلوم کرے اس لیے کہ وہ کسی امام کا پیرو نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کا پیرو ہے۔

میرا معاملہ یہ ہے کہ کوئی بات میں بغیر تحقیق کے نہیں مانتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل سب سے یکساں محبت رکھتا ہوں سب کا انتہائی احترام کرتا ہوں۔ بعض اعتبارات سے امام احمد بن حنبل پر جان دیتا ہوں، بعض اعتبارات سے امام مالک کو بڑا سمجھتا ہوں، امام ابوحنیفہ کی فقاہت کا بھی بہت قائل ہوں اور امام شافعی کی علمیت کا بھی قائل ہوں۔ بڑے لوگوں میں سے امام ابن تیمیہ کا بہت قائل ہوں۔ ان کی کتابیں پڑھتا ہوں اور عش عش کر اٹھتا ہوں کہ ہماری امت میں ایسے ذہین لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ جب کسی مسئلہ پر غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ہمارے یہ ائمہ کیا کہتے ہیں اور اتنی عقل اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ میں پرکھ سکوں کہ اس مسئلہ میں فلاں بات زیادہ اقرب الی الصواب ہے اور اس کو میں اختیار کرتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر میں نے غلطی بھی کی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے گا۔ تفسیروں میں بھی میں سب پڑھتا ہوں لیکن اس قول کو جو الفاظ قرآن سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، میں اس کو مانتا ہوں اور جو اس سے مناسبت نہیں رکھتا اس کو رد کر دیتا ہوں چاہے وہ کسی بڑے آدمی کی بات ہو۔ میرے نزدیک یہ طریقہ ہے جو اللہ کے دین سے وابستہ رہنے کا ہے اور وہ طریقہ جو لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے اس سے ایسی گروہ بندیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ اب اس کے بعد امت میں وحدت پیدا کرنے کی کوئی شکل نظر نہیں آ رہی ہے۔

❀❀❀❀❀

تبصرہ کتب

نعمان علی

# حیات رسول امیؐ

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ اور ہر واقعہ ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور معرفت کا مینارۂ نور ہے۔ حضورؐ سے ہماری محبت کا بھی تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ کی حیات مبارکہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کریں۔ اسی جذبہ کے تحت مختلف زبانوں میں حضورؐ کی سیرت طیبہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ اردو زبان میں بھی نبی کریم ﷺ کی سیرت پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر کتاب کی اپنی اپنی خصوصیت، افادیت اور قدر و قیمت ہے۔

سیرت طیبہ پر اکثر کتابوں میں مصنفین نے بہت سے واقعات کو ماضی میں لکھی گئی سیرت کی کتابوں پر اعتماد کر کے تحقیق اور نقد و جرح کے بغیر بیان کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں رسول کریمؐ کی بعثت، دعوت دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات اور حضور کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا تذکرہ آیا ہے۔ اس لیے سیرت طیبہ کے ان واقعات اور موضوعات کو قرآن کی روشنی میں بیان کرنا چاہیے۔ زمانہ منتظر تھا کہ سیرت طیبہ پر ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس کی بنیاد قرآن پر ہو۔ خالد مسعود صاحب، مدیر تدبر نے ''حیات رسول امیؐ'' قرآن کو بنیاد بنا کر لکھی ہے اس لیے سیرت کی کتابوں میں اس کا نمایاں اور منفرد مقام ہے۔

سیرت طیبہ پر لکھی گئی کتابوں میں عام طور پر رسول کریمؐ کی حیات مبارک کے کسی ایک پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ مثلاً بعض کتابوں میں مغازی کا تذکرہ زیادہ ہے، بعض میں حضورؐ کے ذاتی کوائف جمع کیے گئے ہیں، لیکن اکثر مصنفین نے آپ کی اللہ کے رسول ہونے کی حیثیت کو کما حقہ نمایاں نہیں کیا۔ خالد مسعود صاحب نے اپنی تصنیف میں اس کمی کا بھی ازالہ کیا ہے اور حیات مبارک کے تمام واقعات کو حضورؐ کے رسول ہونے کے تناظر میں بیان کیا ہے اور ان کو قرآن کریم کی آیات سے واضح کیا ہے۔

''حیات رسول امیؐ'' کے فاضل مصنف نے رسول کریمؐ کی زندگی اور دعوت دین کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے لکھا ہے جس کی وجہ سے کہیں تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔ رسول کریمؐ انبیاء کے سلسلۃ المذہب کے آخری رسول ہیں۔ اس مناسبت سے فاضل مصنف نے کتاب کی ابتدا حضرت آدمؑ کے ذکر سے کی ہے پھر انسان کے منصب خلافت اور انسانوں کی ہدایت کے سلسلہ میں نظام نبوت و



رسالت کی ضرورت و اہمیت اور انبیاء و رسل کی جدوجہد کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں تاریخی پس منظر بیان ہوا ہے، دوسرے حصہ میں رسول کریمؐ کی حیات مبارکہ قبل از بعثت کا تذکرہ ہے، تیسرا حصہ نبوت کے مکی دور اور چوتھا حصہ نبوت کے مدنی دور کی جدوجہد اور واقعات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخر میں امت پر رسول اللہؐ کے حقوق اور آپ کے اسوہ حسنہ بیان کیے گئے ہیں۔

سیرت طیبہ پر اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے اسلوب بیان ایسا اختیار کیا ہے اور تحریر میں زبان و ادب کی ایسی خوبیاں ہیں کہ قاری کی دلچسپی شروع سے آخر تک باقی رہتی ہے بلکہ جیسے جیسے وہ کتاب پڑھتا ہے اس کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ شروع میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں بہت سے واقعات بغیر تحقیق کے بیان کر دیے ہیں۔ ''حیات رسول امیؐ'' کے فاضل مصنف نے ان واقعات کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور ان کی تصحیح کی ہے۔ میں ان میں سے کچھ واقعات کا حوالہ دیتا ہوں۔ سیرت نگاروں کے عمومی بیان کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی عمر نبی کریمؐ سے نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی۔ فاضل مصنف نے قطعی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۲۸ یا ۲۵ سال تھی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ چھ سال کی تھیں جب رسول کریمؐ سے ان کا نکاح ہوا اور رخصتی کے وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ فاضل مصنف نے حالات و واقعات اور صحیح روایات کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح سولہ سال کی عمر میں اور رخصتی انیس ۱۹ سال کی عمر میں ہوئی۔

نبی کریمؐ کے سیرت نگاروں نے یہ تاثر بھی دیا ہے کہ بعثت کے بعد تین سال تک آپ نے خفیہ تبلیغ کی۔ یہ بات رسولوں کی سنت سے مطابقت نہیں رکھتی اور حقائق کے بھی منافی ہے۔ حضورؐ نے دعوت دین کا کام فطری انداز میں اور اللہ کی ہدایت کے مطابق شروع ہی سے اعلانیہ اور الاقرب فالاقرب کے اصول پر کیا۔ فاضل مصنف نے ثبوت کے لیے سابقون الاولون کے ناموں کی فہرست دی ہے اور اس غلط فہمی کو دور کیا ہے کہ ابتدا میں آپ کی دعوت خفیہ تھی۔

سیرت کی کتابوں میں شعب ابی طالب میں محاصرہ کی روایات میں بھی بہت افراط و تفریط ہے۔ فاضل مصنف نے تمام حالات کا جائزہ لے کر صحیح صورت حال کو واضح کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ کے سلسلہ جو روایت شہرت پا چکی ہے وہ صحیح روایت کے

خلاف اور درایت کے اعتبار سے ناقابل قبول ہے۔ فاضل مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر کے صحیح واقعہ بیان کیا ہے۔

مورخین اور سیرت نگاروں نے غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ اور دوسرے غزوات کے ذکر میں بہت سی بے اصل باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ''حیات رسول امی'' میں قرآن کو بنیاد بنا کر ان تمام مہمات کے سلسلہ میں واقعات کو صحیح تناظر میں بیان کیا گیا ہے اور غلط باتوں کی مدلل طریقہ سے تردید کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی جمع و تدوین کے سلسلہ میں ایک روایت کی وجہ سے یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ قرآن کریم کو باقاعدہ مصحف کی شکل میں مرتب کرنے کا کام رسول کریمؐ کی زندگی میں نہیں ہوا بلکہ یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ فاضل مصنف نے ناقابل تردید شواہد سے ثابت کیا ہے کہ حضورؐ نے قرآن کریم کا ایک نسخہ مرتب کروا کر ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں رکھوایا تھا۔ یہ مصحف کھال کے باریک پارچوں جس کو رق کہتے ہیں لکھا گیا تھا۔ بعض صحابہ نے اس مصحف کی نقول بھی اپنے استعمال کے لیے حضورؐ ہی کے زمانہ میں تیار کرلی تھیں۔ فاضل مصنف کی اس تحقیق سے ایک بہت بڑی غلط فہمی کا سد باب ہو گیا۔

سیرت کی کتابوں میں ایک اور روایت کا تذکرہ ہے جس کے مطابق حضورؐ نے اپنے مرض الموت میں امت کے لیے کوئی تحریر لکھوانے کا عندیہ دیا لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا۔ اس روایت پر بھی جرح و نقد کر کے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ روایت میں جس طرح واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ پیش ہی نہیں آیا۔

تواریخ اور کتب سیر میں بیان کردہ مذکورہ بالا غلط باتوں کی تصحیح کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ان غلط باتوں سے فتنوں کے جو دروازے کھلے ہیں اہل علم ان سے واقف ہیں اور ان کا سد باب ضروری تھا۔

یہ کتاب نہایت عمدہ معیار پر 30x20/8 کی تقطیع میں ادارہ دار الذکیر رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے۔ چھ سو صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/375 روپے ہے۔ بلاشبہ ''حیات رسول امی'' سیرت کی کتابوں میں ایک قابل قدر اضافہ اور ایک اعلیٰ تحقیقی کارنامہ ہے۔

❁❁❁❁❁




ترجمہ و ترتیب

قیمت -/80 روپے

3۔ قرآن حق و باطل ...
4۔ قرآن مجید قریش کی ...
5۔ قرآن قطعی ...

قیمت -/34 روپے

اسباق نحو